ظالموں کی جڑ کٹ گئی

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ [الأنعام: ٤٤،٤٥]

”پس جب وہ لوگ بھول گئے جو نصیحت کی گئی تھی ان کو، ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ وہ پائی ہوئی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ ظلم وستم ڈھانے والوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی اور سب تعریف وستائش اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کی پرورش کرنے والا ہے۔“

مسجد؛ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ

مسجد کا لغوی معنی سجدہ گاہ ہے۔(مصباح اللغات)

شریعت کی اصطلاح میں اس گھر کو کہا جاتا ہے جسے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہو۔

(جمل علی الجلالین: ٤/ ٤٢١)

اسلام میں مساجد کا مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے۔کتاب وسنت میں مختلف انداز میں ان کی اہمیت و منزلت اجاگر کی گئی ہے۔ان کی فضیلت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨]

''مساجد اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہیں، لہٰذا تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو۔''

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أحب البلاد إلى الله مساجدها و أبغض البلاد إلى الله أسواقها .))(صحيح مسلم)

''روئے زمین کی سب سے اچھی جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ہیں اور سب سے بری جگہ بازار ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سات طرح کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں رکھے گا، ان میں سے ایک قسم کے وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رجل قلبه معلق بالمسجد)) (صحيح مسلم) یعنی وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہے۔

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مساجد اسلامی معاشرے کے اندر ایک بہت بڑے ادارے کی حیثیت رکھتی ہیں اور زمانۂ ماضی میں معاشرے کی اصلاح و راہنمائی میں ان مساجد کا بڑا کردار رہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد قبا کی بنیاد تھی کیونکہ مسجد ہی سے مسلم ریاست کی سرگرمیاں انجام پاتی تھیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ١٠٨]

''جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

(عبدالواحد محمد لقمان سلفی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

08 محرم الحرام 1434ھ جمعة المبارک 23 تا 29 نومبر 2012ء

شمارہ 45 جلد 64

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

نظام

ملک عصمت اللہ

چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری نے اپنے ۵ نومبر کے بیان میں ملک میں جاری سیاسی نظام کو بجاطور پر ہدف تنقید بنایا ہے۔اس نظام کی کوئی کل سیدھی نہیں۔سیاسی نظام ہی کیا یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔تعلیمی نظام ہی کو لیجیے:مشنری سکولوں اور ایچی سن کالجوں کا نصاب اور معیار اور ہے۔اور گورنمنٹ اور پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کا نصاب اور۔اس تفریق سے ہماری قوم اور ملک کو عظیم نقصان پہنچ رہا ہے۔اس کا اندازہ ہمارے ارباب تعلیم وسیاست کو نہیں یا اگر ہے تو وہ اس قدر گاؤدی اور بے حس ہیں کہ وہ اس کا ادراک نہیں کر پا رہے۔

اس نظام تعلیم نے قوم کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔مشنری سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والی نسل کا ذہن اس حد تک مسخ کر دیا جاتا ہے اور انھیں مغربی تہذیب کا اس قدر دلدادہ اور پرستار بنا دیا جاتا ہے کہ وہ اگر کھلے کافر نہ بھی بنیں تو ٹھیٹھ مسلمان بھی نہیں رہتے اور بہ زعم خویش لبرل اور ''روشن خیال'' کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔جب کہ اپنے سوا دوسروں کو ''بنیاد پرست'' اور ''شدت پسند'' کا طعنہ دینے میں ان کو باک نہیں ہوتا۔یہ دونوں دریا ایک دوسرے کی مخالف سمت میں بہتے رہتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی نقطۂ اتصال نہیں ہوتا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اقتدار کی کنجیاں انھی ''روشن خیالوں'' کے ہاتھ میں تھمائی جاتی ہیں جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ طبقہ اپنی ذہنی ساخت کے مطابق ملکی نظام کو سیکولر بنیادوں پر چلانے کی کوشش کرتا ہے۔عوام کی اکثریت ان کی اس طرز حکمرانی کو قبول نہیں کرتی۔عوام اور اہل اقتدار کے درمیان ذہنی تناؤ اور کش مکش شروع ہو جاتی ہے جو قومی اتحاد اور یک جہتی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

ہمارے نظام تعلیم کی خرابی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تعلیم کو تربیت کا ذریعہ بنانے کے بجائے تجارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کی بھرمار ہوگئی ہے جن کا مقصد وحید دولت کمانا ہوتا ہے۔اس لیے بھاری فیسوں کے ذریعے طلباء اور ان کے والدین کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔نئی نسل کی تربیت ان کے پیش نظر بھی نہیں ہوتی۔ان پرائیویٹ اداروں سے تعلیم پا کر نکلنے والی پود کا ذہن بھی تاجرانہ ہوتا ہے اس لیے وہ ہر معاملے میں اپنے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔حکومت کا ان اداروں پر کوئی کنٹرول نہیں بس ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی مثال بنی رہتی ہے۔

جناب چیف جسٹس صاحب سے التجا ہے کہ وہ سیاسی نظام کے جائزے کے ساتھ قانونی اور عدالتی نظام کا بھی جائزہ لیں۔عدالتوں میں چلنے والی بائبل ......تعزیرات پاکستان......تعزیرات ہند ہی کا چربہ ہے جسے صرف ٹائٹل بدل کر ''پاکستانی'' بنالیا گیا اور یہ بائبل انگریز کی تصنیف ہے جسے پہلے سے نافذ شرعی قوانین کو منسوخ کر کے انگریز نے نافذ کیا تھا۔شرعی قوانین اور انگریزی قانونی بائبل کے فکر وفلسفے میں زمین وآسمان کا بُعد ہے۔قانون سازی اللہ کا حق ہے۔شرعی قوانین اللہ کے ارشادات واحکامات پر مبنی ہیں جب کہ یہ قوانین کسی غیر مسلم پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے ہیں۔جس نے قانون سازی کا اختیار اللہ سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

ہماری پارلیمنٹ کی ہیئت وساخت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔یہ ایک شخص کی مٹھی میں بند اور اتنی بے بس ہے کہ اس کے اشارۂ ابرو کے بغیر حرکت بھی نہیں کرسکتی اور اتنی بے وقعت ہے کہ اس کی پاس کردہ قراردادوں کو حکومت کوئی وزن نہیں دیتی۔اور اس کے بہت سے ارکان جعلی ڈگریوں کی کلغی سر پر سجائے ہوئے ہیں۔ایسی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کی قدر وقیمت کیا ہوسکتی ہے اور ایسی پارلیمنٹ کا فائدہ؟ اس سے کہیں بہتر ہے کہ غیر شرعی قوانین کو منسوخ کر کے شرعی قوانین کو دوبارہ نافذ کیا جائے اور اس کے مطابق قانونی اور عدالتی نظام کو ڈھالا جائے۔

ہمارا معاشی نظام سودی بنیادوں پر رواں دواں ہے جس کے نتیجے میں کساد بازاری کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں جو ہماری معیشت کے لیے انتہائی مضر ہوتے ہیں۔ان کے پیش نظر سٹیٹ بنک سود کی شرح کم کرنے پر کئی بار مجبور ہوا ہے۔ابھی حال ہی میں شرح سود میں کمی کی گئی ہے۔یہ اس کی محکم دلیل ہے کہ سودی معیشت ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے لیکن حکومت کے پاس اتنا حوصلہ اور ہمت نہیں کہ وہ اس سے نجات حاصل کر سکے بلکہ وہ ایسا چاہتی بھی نہیں۔

ماضی قریب میں ہمارے ملک کی شرعی عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ دیا تھا جس پر ''شریف'' حکومت نے ایک سال کی مہلت مانگی اور پھر اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جو وہاں برسوں سے زیر التوا پڑی ہے۔ جناب چیف جسٹس سے ہماری استدعا ہے کہ اس کو بھی سرد خانے سے نکال کر اس کی سماعت اب فرمالیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا معاشرتی نظام بھی شکست وریخت کا شکار ہو چکا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام دم توڑ رہا ہے۔ ہر شخص انفرادیت پسند اور اپنی ذات میں گم ہو چکا ہے۔ ساتھ رہتے ہوئے برسوں بیت جاتے ہیں لیکن ہمسایوں کو ایک دوسرے کا پتا نہیں ہوتا۔ حد تو یہ ہے کہ ایک ہی مکان کی اوپر کی منزل میں رہنے والوں کو نچلی منزل میں قیام پذیر لوگوں کا علم نہیں ہوتا اور نچلی والے اوپر والوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

اخلاقی نظام میں جھوٹ بولنا عیب اور سچ بولنا بہترین خوبی ہے۔ ایمان دار اور امین ہونا ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے اور خائن اور بددیانت ہونا پرلے درجے کی برائی ہے۔ خودغرض اور مفاد پرست ہونا شر ہے تو مخلص وہمدرد ہونا نیکی ہے۔ ہمارا یہ اخلاقی نظام بھی زوال پذیر ہے۔ کوئی بھائی اپنے سگے بھائی پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ ہر کوئی دوسرے کو فریب دینے کے چکر میں رہتا ہے۔ ایمان دار اور امین لوگ خال خال نظر آتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ایوان صدر کے ترجمان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہاں کوئی امین نہیں رہا۔ لہٰذا آئین کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کو منسوخ کر دیا جائے۔ بلاشبہ ہماری قوم اخلاقی زوال کا شکار ہے لیکن وہ اتنی گئی گزری بھی نہیں کہ اپنی قیادت خائن اور بددیانت لوگوں کے ہاتھوں میں تھمانا پسند کرتی ہو۔ صدارتی ترجمان کے بیان سے ان کی یہ چاہت معلوم ہوتی ہے کہ انھیں اقتدار میں رہ کر کھل کھیلنے کے لیے کھلا میدان اور پورا موقع ملے۔ وہ چاہتے ہیں ع گلیاں ہو جان سُنجیاں، وچ مرزا یار پھرے

رہا سیاسی نظام تو وہ اتنا گل سڑ چکا ہے کہ اس کی سڑاند سے دماغ پھٹے جا رہے ہیں۔ ہمارے ارباب اقتدار اس نظام کو یوں گلے لگائے ہوئے ہیں جیسے بندریا اپنے مردہ بچے کو۔ اس نظام کے ایک پہلو...... طریق انتخاب...... کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ہزار نقائص نظر آتے ہیں۔ ہمارے اربابِ اقتدار اسے ترک کرنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ ان کے مفادات کو پورا کرتا ہے۔ حال ہی میں مرکزی کابینہ کے منظور کردہ بل کے مطابق قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے والوں کے لیے ۵۰ لاکھ اور صوبائی اسمبلیوں کے امیدواروں کو ۳۰ لاکھ روپے خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس ملک کی نصف سے زائد آبادی وسائل کی ناہموار تقسیم کی وجہ سے غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ وہ انتخاب میں حصہ لینے یا انتخاب لڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک شخص کتنا ہی اہل اور لائق کیوں نہ ہو اگر اس کے پاس پچاس لاکھ روپے کی رقم نہیں ہے تو وہ اقتدار میں نہیں آ سکتا۔ اگر اس کے پاس پچاس لاکھ روپے ہوں چاہے وہ کتنا ہی نااہل اور نالائق خائن اور بددیانت ہو وہ کرسی اقتدار پر فائز ہو سکتا ہے۔ یا للعجب!

یہ ایک کھلا راز ہے کہ کوئی امیدوار مقررہ حد کے اندر رہ کر خرچ نہیں کرتا بلکہ اس سے دوگنا، سہ گنا خرچ کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو اتنا خرچ کرتا ہے وہ قوم وملک کے درد وغم میں گھل کر خرچ نہیں کرتا بلکہ سیاست میں سرمایہ کاری کرتا ہے، یعنی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہی کرتا ہے اور پھر ہر طریقہ سے اس رقم کی وصولی کے لیے تدبیریں کرتا ہے۔ گویا منتخب ہونے سے پہلے ہی بددیانتی، خیانت اور کرپشن کی نیت خود بہ خود ہو جاتی ہے۔

اس کا دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ ایک ایک حلقے میں تین تین چار چار امیدوار انتخاب میں حصہ لیتے ہیں۔ اس حلقے کے ووٹ ان سب امیدواروں میں معمولی کمی بیشی کے ساتھ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تیسرا یا چوتھا حصہ ووٹ حاصل کرنے والا کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح کامیاب امیدوار اکثریت کا حقیقی نمائندہ نہیں ہوتا بلکہ اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جب کہ اکثریت کے ووٹ رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ ایسے اقلیت کے نمائندوں سے ترتیب پانی والی پارلیمنٹ بھی عوام کی نمائندہ نہیں رہتی۔ پھر ایک گھر کے دس دس افراد بیٹے، بھائی، بہنیں، بھانجے، بھتیجے اور بھتیجیاں زر، زور سے پارلیمنٹ میں پہنچ جاتے ہیں اور یوں پارلیمنٹ چند خاندانوں کی نمائندہ بن کر رہ جاتی ہے۔

اس کا تیسرا پہلو اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ آئین کی دفعہ ۶۲، ۶۳ امیدواران کے لیے ایک معیار مقرر کرتی ہے مگر اس کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں بڑے سے بڑا بے ایمان اور بددیانت شخص دھن، دولت اور بدمعاشی کے زور پر منتخب ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اگر اس ملک کی تقدیر بدلنی مقصود ہے تو اس طریق انتخاب کو بھی بدلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور اس کے لیے ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب کی ضرورت ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

درس قرآن — قسط نمبر ۴۸

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ٥ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَابَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ٥ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ٥﴾
[یٰسٓ: ٥٩-٦١]

''اور الگ ہو جاؤ آج اے مجرمو! کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔''

اہل جنت کا حال بیان کرنے کے بعد اب مجرموں کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے کہیں گے اے مجرمو! دنیا میں تم اہل ایمان کے ساتھ ایک ساتھ ملے جلے رہتے تھے بلکہ تم ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارتے تھے اور مومنوں کو حقیر سمجھتے تھے، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ناگوار سمجھتے تھے۔ مگر آج انصاف کا دن ہے میرے بندوں سے الگ ہو جاؤ۔ آج ان کی دنیا الگ ہے اور تمھاری الگ ہے۔ اہل جنت سے ان کی علیحدگی کا کیا مفہوم ہے اور اس کی کتنی نوعیتیں ہیں اس کی ضروری تفصیل حسب ذیل ہے:

۱: میدانِ محشر میں سب ملے جلے کھڑے ہوں گے، مومن ہوں یا کافر، مخلص ہوں یا منافق، صالح اور پاکباز ہوں یا فاسق وفاجر۔ اسی لیے تو قیامت کا نام ''یوم الجمع'' اور ''یوم الحشر'' ہے۔ پھر مجرموں سے کہا جائے گا کہ تم مومنوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اسی لیے اسے ''یوم الفصل'' بھی کہا گیا ہے۔ گویا ایک تو ان کی ندامت کا باعث جدائی کا یہ اعلان ہے۔ دوسرا مومنوں سے جدا ہو کر ایک طرف ہونا بجائے خود ندامت کا باعث ہے۔ مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور روشنی میں کھڑے ہوں گے۔ جب کہ مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ان کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوں گے اور اندھیرے میں پریشان کھڑے ہوں گے۔ آنکھیں جھکی ہوئی اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی:

﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ﴾ [الرحمن: ٤١]

''مجرم اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔''

اور انھیں کہا جائے گا کہ مومنوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ تاکہ ناپاک، پاک سے جدا ہو جائیں:

﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ [الأنفال: ٣٧]

''تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے۔''

۲: یہ امتیاز مومنوں سے ہی نہیں مجرموں کا باہمی مجرموں سے بھی امتیاز ہوگا۔ یہ مفہوم امام ضحاک رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، یعنی یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، سکھ، دہریے وغیرہ سب کو ایک دوسرے سے جدا جدا ہو جانے کا حکم ہوگا۔ مومن تو سب اکٹھے ہوں گے جیسے پہلے بیان ہوا ہے:

﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ٥﴾
[یٰسٓ: ٥٦]

''وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔''

یہ کافر دنیا میں ایک تھے مگر یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے:

﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ٥﴾ [الزخرف: ٦٧]

''سب دلی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ۔''

جیسے اہل جنت کے ایمان واعمال کے نتیجے میں جنت میں مختلف درجات ہوں گے اسی طرح کفار وفساق کے کفر وفسق کی سزا میں مختلف درجات ہوں گے اور ان سب کو جدا جدا ہونے کا حکم ہوگا۔ یہ میدان محشر میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ اور جہنم میں بھی علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ گو عذاب کے ساتھ انھیں آپس کی فرقت اور جدائی کا عذاب بھی ہوگا۔ ایک دوسرے سے یہ جدائی شدت عذاب کا اشارہ ہے۔

۳: امتیاز اور جدائی سے مراد اللہ کے سوا معبودوں اور ان کے عبادت گزاروں کی جدائی بھی مراد ہے جنھیں وہ اپنا شفیع سمجھتے تھے اور اسی سہارے پر ان کی نذر ونیاز دیتے تھے:

﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ٥ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ٥ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ٥﴾ [الروم: ١٢-١٤]

''اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم ناامید ہو جائیں گے۔ اور ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے کوئی سفارش کرنے والے نہیں ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔''

یہ کیا المنا کی ہوگی کہ فاسق باپ اپنے نیک بیٹے سے، پیر اپنے بدکار مرید سے اور فاسق دوست اپنے نیک دوست سے جدا جدا کر دیے جائیں گے۔

۴: امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مجرمو! ہر بھلائی اور خیر سے جدا ہو جاؤ۔ جو امیدیں اور آرزوئیں رکھتے تھے وہ سب بے کار ثابت ہوں گی۔

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ﴾ ''کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی۔''

''عہد'' کے معنی کسی چیز کی نگہداشت اور خبرگیری کرنا ہے۔ پختہ وعدہ کو بھی ''عہد'' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید ہی میں ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا٥﴾ [الإسراء: ٣٤]

''اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کا سوال ہوگا۔''

اسی معنی میں یہ لفظ کئی بار قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ "عهد إلي" کے معنی تاکیدی حکم دینا، ذمہ دار ٹھہرانے اور پابند کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ٥﴾ [البقرة: ١٢٥]

''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔''

تقریباً یہی بات امام رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ اس کا سب سے قوی مفہوم یہ ہے کہ "ألم أوص إليكم" کیا میں نے تمھیں وصیت نہیں کی۔ گویا میدانِ محشر میں بہ طور ملامت کہا جائے گا کہ آج جو تم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو تو کیا میں نے تمھیں تاکیدی حکم یا وصیت نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا۔

اس عہد سے مراد وہ وصیت اور تاکیدی حکم ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے یا ان کے نائبین کے ذریعے سے دیا گیا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے فرمایا ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: ٣٦]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

اس کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کی اور ان سے توحید پر قائم رہنے کا

اقرار لیا:

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝﴾ [البقرة: ۱۳۳]

''یا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت پیش آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں۔''

اسی طرح بنی اسرائیل سے اسی کا عہد لیا:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [البقرة: ۸۳]

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔''

اس لیے انبیاء کے ذریعہ جو عہد و میثاق امتوں سے لیا اور توحید کا تاکیدی حکم فرمایا وہی عہد یہاں مراد ہے۔

اسی طرح اس عہد سے عالم ارواح کا عہد مراد ہے۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۝﴾ [الأعراف: ۱۷۲]

''اور جب تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں واقعی تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے شہادت دی۔ (ایسا نہ ہو) کہ تم قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔''

اس عہد کی یاد دہانی اللہ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام اور اپنی کتابوں کے ذریعے کی، اللہ نے عقل وشعور بھی عطا فرمایا۔ انفسی وآفاقی دلائل پر غور کرنے سے بھی تم اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے تھے کہ اس کارخانہ کو چلانے والا ایک اللہ ہی ہے۔ مگر اے مجرمو! نہ تم نے عقل سے کام لیا نہ ہی میرے رسولوں کی یاد دہانی پر کان دھرے، بلکہ الٹا شیطان کے بندے بن گئے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ میرا عہد و پیمان یہ تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ سے کہا تھا:

﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۝﴾ [مریم: ۴۴]

''اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر، بے شک شیطان ہمیشہ سے رحمان کا نافرمان ہے۔''

یہاں شیطان کی عبادت کے دو مفہوم ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے بھی معبودوں کی عبادت ہوئی ہے یا ہو رہی ہے۔ شیطان کے بہکانے سے ہی ہو رہی ہے۔ لہٰذا حقیقت میں یہ شیطان ہی کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا۝﴾ [النساء: ۱۱۷]

''وہ اس کے سوا نہیں پکارتے مگر مؤنثوں کو اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیطان کو۔''

کفار فرشتوں کو اللہ کی (معاذ اللہ) بیٹیاں کہتے تھے اور انسانوں پر قیاس کر کے سمجھتے تھے جیسے ماں باپ بیٹیوں کی بات تسلیم کر لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنی ان بیٹیوں کی بات مان لیتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کی عبادت کرتے اور ان کی نذر و منت دیا کرتے تھے۔ یہ سب تصورات بھی شیطانی تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرشتوں سے یہ وضاحت کروا دیں گے کہ یہ ہماری نہیں بلکہ جن شیطانوں کی عبادت کرتے تھے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰئِكَةِ أَهَٰؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ o قَالُوا سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ o﴾ [سباء: ٤٠،٤١]

''اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمھاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے، تو ہمارا دوست ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کے اکثر انھی پر ایمان رکھنے والے تھے۔''

گویا یہ عبادت تو ہمارا نام لے کر کرتے تھے مگر دراصل ہماری نہیں شیاطین کی بندگی کرتے تھے۔ فرشتوں کے علاوہ بھی جن کی پرستش کی جاتی ہے وہ دراصل شیاطینِ جن کی عبادت ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش بھی درحقیقت شیطان کی پرستش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ گویا کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ یہی کیفیت غروبِ آفتاب کے وقت ہوتی ہے۔ قبور صالحین پر عموماً شعبدہ بازیاں بھی درحقیقت انھی کی کارستانیاں ہیں۔ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور نہ ہی اپنی بندگی کا کہتے ہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ان کے نام پر شرک کی دکانداری چلانے والوں کا انکار کر دیں گے:

﴿إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ o﴾ [فاطر: ١٤]

''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھے ایک پوری خبر رکھنے والے کی طرح کوئی خبر نہیں دے گا۔''

اسی آیت کی تفسیر میں جو ہم لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر بھی ڈال لیجیے۔

۲: ﴿لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ''لا تطیعوا الشیطان'' کہ شیطان کی اطاعت نہ کرو۔ اس لیے کہ عبادت پر اطاعت کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوت کے جواب میں کہا تھا:

﴿أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ o﴾ [المؤمنون: ٤٧]

''تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کے لوگ ہمارے غلام ہیں۔''

بنی اسرائیل فرعون کے غلام اور اطاعت گزار تو تھے اسی کو اس نے ''عابدون'' سے تعبیر کیا ہے۔ ''عبدت فلانا'' کے معنی یہی کیے گئے ہیں کہ میں نے اسے اپنا مطیع ومحکوم بنا لیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا:

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَآئِيلَ o﴾ [الشعراء: ٢٢]

''اور یہ کوئی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو محکوم بنا رکھا تھا۔'' (مفردات)

اس لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے حکم کی اللہ کے حکم کی طرح مستقلاً اطاعت کی جائے یہ بھی اس کی عبادت ہے اور اسے اپنا رب بنانے کے مترادف ہے۔ ایسے حکم کی اطاعت بھی شیطان کی عبادت ہے اور شرک ہے۔

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

۳۵۔ جو خاموش رہا، نجات پا گیا:

((من صمت نجا.)) (رواه الترمذي والدارمي والبيهقي في شعب الايمان)

''جو چپ رہا، اس نے نجات پائی۔''

فائدہ: یعنی دنیا اور آخرت کی بہت سی بلاؤں سے وہ محفوظ رہے گا، کیونکہ اکثر بلائیں زبان کے سبب آتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بلا (آزمائش) بولنے پر مقرر ہے۔

ہر چہ بر آدمی رسد ززیان
ہمہ از آفت زباں باشد
بے زباں باش نہ بینی کہ قلم
تا زبان یافت سرش در خطر است

ولنعم ما قیل:

بہ خاطر ہیچ مضمون زلب بستن نمی آید
خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

حکایت:

ایک شہزادے نے اس حدیث کو سن کر بولنا چھوڑ دیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے علاج کے لیے طبیب بلائے لیکن طبیبوں کو بہ ظاہر کوئی مرض نظر نہ آیا اور اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا۔ بادشاہ کو بہت رنج اور فکر ہوا کہ ایک بیٹا تھا وہ بھی چپ ہو گیا۔ ایک روز اس نے اپنے ندیموں سے کہا کہ اس کو شکار کے واسطے لے جاؤ شاید وہاں تفریح پا کر کچھ بولے۔ ندیم شہزادے کو لے گئے۔ شہزادے نے جب تیتر کو دیکھا تو ہنس دیا اور کہا کہ اس بے چارے کا دشمن اس کا بولنا ہوا۔ نہ بولتا نہ پکڑا جاتا۔ اس وقت ندیموں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ جنابِ عالی! شہزادے کو بیماری کوئی نہیں ہے۔ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔ سچ ہے۔

ہر چہ آمد بہ زبانت گفتی
آنچہ آمد بہ دہانت خوردی
دیگرے راچہ گناہ است کہ تو
خویش را خویش بدوزخ بردی

۳۶۔ مہدی میری اولاد سے ہوگا:

((المهدي مني.)) [1]

''مہدی میری اولاد میں سے ہے۔''

فائدہ: اکثر روایات میں ہے کہ اولادِ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے امام مہدی ہوں گے اور بعض روایات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بتلایا گیا ہے اور بعض غریب احادیث میں اولادِ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا ہے۔ ابن حجر مکی نے ان روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ ایک شخص میں ولادات متعددہ کا جمع ہونا بایں طور ممکن ہے کہ مثلاً والد کی طرف سے حسنی ہوں، والدہ کی طرف سے حسینی اور بعض امہات ان کی عباسی ہوں۔

ان کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ اور خود ان کا اپنا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہوگی۔ اخلاق میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ ہوں گے۔ زبان میں ذرا لکنت ہوگی۔ یہ زمین کو اسی طرح

[1] سنن أبي داود، كتاب المهدي: ٤/ ٤٧٥ طبع مصر۔ ص، ي

عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح ان کی آمد سے قبل وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

جہاں چناں شود از عدلِ او کہ ناخن باز
علاج ناخنۂ دیدۂ حمام کند

''اس کے عدل سے دنیا کا یہ عالم ہوگا کہ کبوتر کی آنکھ میں ناخن مارنے والا خود اس کا علاج کرے گا، یعنی ظالم خود مظلوم کی دادرسی پر مجبور ہوگا۔''

حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کے درمیان اختلاف ہوگا۔ پس ایک آدمی مدینہ سے نکل کر مکہ بھاگتا ہوا پہنچے گا۔ مکے والے اسے اپنا امام (خلیفہ) بنانا چاہیں گے۔ جب کہ وہ خود امام بننا پسند نہیں کریں گے۔ بہرحال انھیں امام بنا لیا جائے گا اور لوگ ان سے حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے اور اطرافِ شام سے ایک لشکر ان کی طرف روانہ ہوگا۔ یہ لشکر مکے اور مدینے کے درمیان بیداء نامی جگہ پر دھنس جائے گا۔ جب یہ صورتِ حال لوگوں کے علم میں آئے گی تو شام کے ابدال اور عراق کے گروہ امام مہدی کے پاس آئیں گے اور ان سے بیعت کریں گے۔

شرح برزخ میں لکھا ہے کہ دنیا کی مدت حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر کے وقت سے قیامت تک سات ہزار برس ہے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے یہ مدت ایک ہزار چارسو بالیقین اور پانچ سو بہ احتمال ہے۔ اس لیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے اور مابعد نصف کا حکم آخر کا ہے۔ اس وجہ سے یہ مدت زیادہ ہوگئی، یعنی ایک ہزار اور پانچ سو کے قریب۔ ❶ انتہیٰ

اور اب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہ سوستر سال گزر گئے۔ ❷

اس سے معلوم ہوا کہ ظہور مہدی اور علاماتِ قیامت کا زمانہ قریب آرہا ہے اور علماء نے ظہورِ مہدی کی تاریخ ظن اور تخمین سے لکھی ہے لیکن اس کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ کسی نے ظہور مہدی کی تاریخ ہجرت کے نوسوسال بعد، کسی نے بارہ سو برس کے بعد اور کسی نے بارہ سو چار سال کے بعد لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ سو اڑسٹھ سال کے بعد فرمایا تھا اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے سیف مسلول میں لکھا ہے:

ظہور مہدی کی تاریخ علمائے ظاہر وباطن نے بہ ظن وتخمین اوائل تیرہ صدی ہجری لکھی ہے لیکن ظہور مہدی کی تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے، یہ سب قیاسات تھے جو گزر گئے۔ کیونکہ امام مہدی ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے لیکن جب سارے اقوال جمع کیے جائیں تو یہ بات بالضرور ثابت ہوتی ہے کہ امام مہدی کا خروج ہجرت کے بارہ سو برس کے بعد ہوگا اور تیرہ صدی سے زیادہ نہ گزرے گا کہ آپ کا ظہور ہوگا۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ تیرھویں صدی (تالیف کتاب کے وقت) ختم ہوگئی ہے اور اب ۱۳۰۲ھ ہجری ہے، یعنی تیرہ صدیاں پوری ہو کے چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ہوگا۔ اس لیے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ شروعِ مائۃ پر آپ کا ظہور ہوگا، اگرچہ تا نصف اوّل صد سال داخل اوّل صد ہے، یعنی نصف صدی اوّل ...... پہلے پچاس سال ...... صدی کے اوائل ہیں کہلائیں گے۔ کیونکہ آپ مجدد دین ہیں اور ہر مجدد ہر زمانے میں صدی کے شروع میں ظاہر ہوا ہے۔ ❸

مشہور روایات کے مطابق ظہور کے وقت امام مہدی کی عمر چالیس برس کی ہوگی اور ابونصر کی روایت میں ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ امام

---

❶ جن روایات میں بقائے دنیا کی کل مدت کا ذکر ہے وہ سب غیر صحیح اور اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ نواب صاحب نے بھی اپنی ایک اور کتاب ''الاذاعة لما كان وما يكون بين يدی الساعة'' کے آخر میں ان روایات کے بے اصل ہونے کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص:۸۶ تا ۵۳۔ طبع بھوپال۔ (ص، ی)

❷ مصنف کتاب حضرت نواب صاحب کے وقت۔ کیونکہ اب یہ مدت ۱۴سو سال سے متجاوز ہوگئی ہے۔ (ص، ی)

❸ لیکن اب چودھویں صدی بھی ختم ہوگئی ہے اور پندرھویں صدی کا بھی پانچواں سال گزر رہا ہے (اور اب پینتیسواں سال شروع ہوچکا ہے۔) اس لیے یہ سب قیاسات ظن وتخمین پر مبنی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کی طرح ظہور مہدی کا بھی صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔ (ص، ی)

مہدی کا خروج سال ہائے طاق میں ہوگا۔ اس صورت میں کچھ تعارض بھی نہیں رہا۔ اور جو فتنے کہ مقدمات ظہور ہیں، وہ عالم میں جاری وساری ہیں اور قربِ ظہور کے اوپر دلالت کرتے ہیں اور قیامت کی جو علاماتِ صغریٰ احادیث وآثار میں وارد ہیں وہ بالکل دنیا میں واقع ہوگئی ہیں۔ فقط ظہورِ علاماتِ کبریٰ باقی ہے اور علاماتِ کبریٰ کے ظہور کا مقدمہ (پیش رَو) امام مہدی کا خروج ہے۔

فائدہ: محمد بن اسماعیل بخاری کے شیخ نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ طاؤس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے موت نہ آئے یہاں تک کہ امام مہدی کا زمانہ پالوں کہ یہ زمانہ ایسا ہوگا کہ نیک آدمی کے ساتھ احسان کیا جائے گا، خطا کار کی توبہ قبول کی جائے گی اور گناہ گار کو نعمت دی جائے گی۔ انتہیٰ

اور میں (نواب صدیق حسن خاں) یہ کہتا ہوں کہ جب طاؤس نے امام مہدی کے زمانے سے اس قدر بعد مدت کے باوجود یہ امید کی ہے تو میں اس اُمید کا زیادہ مستحق ہوں اس لیے کہ میرا زمانہ امام مہدی کے زمانے سے بہ نسبت زمانۂ طاؤس کے بالیقین نزدیک تر ہے اور قربِ خروج کے اوپر آثار واخبار بھی دلالت کرتے ہیں۔ سو میں کس لیے یہ تمنا نہ کروں اور دلِ آرزو مند کو خوش نہ کروں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں حضرت مہدی کا عہد سعادت مہد پاؤں اور اس سعادتِ ابد مدت کے سرفراز ہوں۔

زمانہ مہدیِ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

نیز حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو پائے تو اس کو چاہیے کہ میرا سلام ان کو پہنچائے۔ سو مجھ کو بڑی تمنا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے ایام پاؤں تو سب سے پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچاؤں تا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل ہونے کا شرف حاصل ہو۔ اور یہ وہ آرزو ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ محمد یحییٰ الہ آبادی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم نے کی ہے۔ ان حضرات کے ساتھ نسبت پیدا کرنا، چاہے ایک تمنا کی شرکت کے ساتھ ہی ہو، بڑی نعمت ہے۔ خدا جس کو نصیب کرے۔ اللھم آمین ثم آمین .

اور امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے احوال نیز ان فتنوں اور حادثوں کے حالات جو امام مہدی کے خروج سے قبل عالم اسباب میں واقع ہوئے اور ہوں گے، اور بدء وغایت دنیا اور عمر دنیا کی تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "حجج الکرامہ فی آثار القیامۃ" میں پوری وضاحت سے لکھی ہیں، جس کا جی چاہے وہ وہاں دیکھ لے۔

قاضی عبداللہ کی وفات

قاضی عبدالرحیم مرحوم کے بیٹے جناب قاضی عبداللہ صاحب (ساکن قاضی کوٹ، ضلع گوجرانوالہ) ۴؍نومبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک بہترین لائبریرین تھے۔ مرحوم کی عمر ۸۰ برس کے قریب تھی۔ کوٹ قاضی بم سازش کیس انگریزی دور حکومت میں قاضی کوٹ کے اہل توحید وسنت کے لیے بڑا مشہور کیس تھا۔ اس کیس کی سزا میں سخت تشدد سے واسطہ پڑا تھا۔ مرحوم کے آباء کو بھی اس کیس سے گزرنا پڑا تھا اور یہ اپنے خاندان کی آخری نشانی تھے۔ قارئین سے مرحوم کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔ (حافظ عطاء السلام بن مولانا حافظ محمد یوسف گکھڑوی رحمہ اللہ، سکول بک ڈپو، اردو بازار، گوجرانوالہ)

تزکیۂ نفس

تقویٰ کی حقیقت اور نماز

حافظ وہیب الرحمٰن نعیم بن حافظ عبدالرحمٰن نعیم

تقویٰ کا لغوی معنی:

علامہ ابن فارس رقمطراز ہیں تقوی وقی سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعے روکنا' کسی چیز کو ڈھال بنانا جیسے "واتق الله" یعنی اپنے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے درمیان تقوے کو ڈھال بنانا۔ (معجم مقاییس اللغة ٦/١٣١)

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

وقی اور الوقایہ کا مطلب ہے کسی چیز کو موذی اور نقصان دہ چیز سے بچانا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾

[الدھر: ١١]

''تو اللہ تعالیٰ اُن کو اُس دن شر سے بچا کر رکھے گا اور اُنہیں تازگی اور سرور بخشے گا۔'' (مفردات امام راغب، ص:٨٨١)

شیخ ابراہیم مصطفیٰ لکھتے ہیں:

تقویٰ کا مطلب ہے خشیت الٰہی، ڈر جیسے کہا جاتا ہے "تقوی الله" یعنی خشیت الٰہی۔ (المعجم الوسیط: ٢/١٠٥٢)

تقویٰ کا شرعی و اصطلاحی مفہوم:

علامہ راغب اصفہانی تقوے کی شرعی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تقوے کی شرعی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو گناہ سے بچا کر رکھے اور اس کی حفاظت کرے نیز تقویٰ منع کردہ اشیاء کو ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور کامل تقویٰ بعض جائز اشیاء کو بھی چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

(مفردات امام راغب، ص:٨٨١)

امام طاہر بن عاشور اپنی شہرہ آفاق تفسیر "التحریر والتنویر" میں تقویٰ کا شرعی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تقویٰ کا شرعی معنی یہ ہے کہ انسان تمام احکامات کی مکمل پیروی اختیار کرے، منع کردہ اشیاء سے مکمل اجتناب کرے جیسے کہ کبیرہ گناہ اور صغیرہ گناہوں پر ظاہری اور باطنی طور پر ہمیشگی اختیار نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضگی کو دعوت دینے والے اعمال وافعال سے بچ کر رہے۔''

(التحریر والتنویر: ١/٢٢٦)

امام بیضاوی رحمہ اللہ بڑے ہی سادہ اور مختصر الفاظ میں تقویٰ کا مفہوم کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں:

''شرعی اصطلاح میں صغیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ ہر اس کام سے بچنا جس کا کرنا یا چھوڑنا گناہ کا باعث بنے تقویٰ کہلاتا ہے۔'' (تفسیر بیضاوی: ١/١٦)

اب تقویٰ کے شرعی واصطلاحی مفہوم کی وضاحت اور مزید جامعیت کے لیے ایک اثر نقل کیا جاتا ہے:

خلیفہ ثانی سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواباً استفسار فرمایا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! کیا کبھی آپ کا گزر کسی ایسے راستے سے ہوا ہے جس کے دونوں جانب خاردار جھاڑیاں ہوں؟ تو امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کس طرح گزرتے ہیں؟ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''اپنے جسم اور کپڑوں کو سمیٹ کر محتاط وچوکنا ہو کر گزر جاتا ہوں جواب ملا یہی تقویٰ ہے۔''

علامہ ابن المعتز رحمہ اللہ نے تقوے کے اسی مذکورہ مفہوم کو بڑی خوبصورتی سے اشعار کے سانچے میں ڈھال دیا ہے فرماتے ہیں:

خَلِّ الذنوب صغيرها
وكبيرها ذاك التقٰى
واصنع كماش فوق أر
ض الشوك يحذر ما يرٰى
لا تحقرنّ صغيرة
اِنّ الجبال من الحصٰى

''صغیرہ گناہوں کو ترک کر دے یہی تقویٰ ہے۔ زندگی گزارتے وقت گناہوں سے اس طرح احتیاط اور بچاؤ کر جیسے کانٹے دار راستے سے گزرنے والا بچتا ہے۔ صغیرہ گناہوں کو کبھی بھی معمولی نہ سمجھ کیونکہ بلند وبالا پہاڑوں کی ابتدا بھی تو چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ہوتی ہے۔''

(تفسير القرطبی: ۱/۱۶۱،۱۶۲)

گویا کہ اس دنیا کی مثال اُس راستے کی ہے اور خاردار جھاڑیوں سے مراد زندگی کی آلائش ومنکرات اور شیطانی ہتھکنڈے ہیں۔لہذا معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی کے گناہوں اور منکرات سے اٹے ہوئے اس راستے سے اپنے نفس کے دامن کو بچا کر سفرِ آخرت پر روانہ ہونے کا نام تقویٰ ہے۔

اس مکالمے نے تقوے کے مفہوم کو مکمل طور پر واضح کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو کی روشنی میں ہم تقوے کو درج ذیل معانی میں سمو سکتے ہیں:

۱: بچنا، احتراز کرنا۔
۲: خوف واندیشہ محسوس کرنا۔
۳: متقی وپرہیز گار بننا۔
۴: نیک ومخلص بننا۔

تقوے کا مرکز ومنبع:

قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مومن بندے کا دل تقوے کا مرکز ومنبع ہے۔انسانی جسم میں دل ہی تو اصل زندگی ہے اس کے دھڑکنے سے زندگی میں رونق اور اس کی خاموشی سے زندگی ویران و بے جان ہے۔

انسانی کی عملی زندگی کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے حالات وعادات کا مرجع یہی خون کا معمولی سا لوتھڑا ہے یہ چھوٹا سا دل انسان کے افکار ومعمولاتِ زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑتا ہے اور تقویٰ ایک روحانی واخلاقی خوبی ہے جس کا تعلق انسان کی اندر کی دنیا سے ہے جو بتدریج دل کی دنیا بدلتے ہوئے بالآخر انسان کے ظاہری وجود کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔تقوے کے مرکز ومنبع کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج: ۳۲]

''یہ (اور مزید سن لو) جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی عزت وتکریم کرے گا تو یہ (عزت وتکریم) دلوں میں موجود تقوے کی بدولت ہے۔''

اس کی تائید ایک حدیثِ رسول سے ہوتی ہے آپ نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

((التقوى ههنا واشار الى صدره ثلاث مرات.))

''آپ ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ تقوے کا مرکز دل ہے۔''

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۵۶۴)

لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ دل نہ صرف تقویٰ اور دیگر روحانی واخلاقی خوبیوں کا مرکز ومنبع ہے بلکہ یہ شیطان کی آماجگاہ بھی ہے جو یہاں چھپ کر انسان کو گناہوں اور بُرے کاموں پر اکساتا اور آمادہ کرتا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ کی حدیث مبارک سے بھی ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی ایک نصیحتیں کرتے ہوئے آخر میں یہ ارشاد فرمایا:

((الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله ، ألا وھی القلب .))

''یادرکھوجسم (سینے) میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست رہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور جان لو کہ وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (صحیح بخاري، رقم الحدیث: ۵۲)

قرآن وسنت کے مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دل اچھے اور برے دونوں قسم کے احساسات کا مرکز ہے۔اگر انسان کا دل ایمان وتقوے سے لبریز اور تروتازہ ہو تو یہ دل انسان کے لیے اللہ رب العزت کی محبت،قربت اور وارفتگی کا باعث بنتا ہے اور اگر دل میں ایمان وتقوے کی حقیقی لذت و چاشنی جاگزیں نہ ہو سکے تو دل انسان کو گناہوں کی گہری دلدل میں دھنسا دیتا ہے۔لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو ٹٹولے، اگر معاملہ اچھا ہے تو رب کے حضور شکر بجا لائے اور اگر معاملہ غیر تسلی بخش ہے تو اصلاح کرے اور ساتھ ساتھ صبح وشام رب کی جناب میں گڑگڑا کر یہ دعا کرے:

"یا مقلب القلوب صرّف قلبی علی طاعتك ویا مثبت القلوب ثبت قلبی علی طاعتك ."

''اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنی اطاعت کی جانب پھیر دے اور اے دلوں کو مضبوط کرنے والے میرے دل کو اپنی فرمانبرداری میں مضبوط کر دے۔''

نماز:

کلمہ طیبہ کا اقرار کر لینے کے بعد سب سے پہلے جو فرض اور عبادت ایک مسلمان پر لاگو ہوتی ہے وہ نماز کی ادائیگی ہے۔عبادات میں نماز کی اہمیت مسلمہ ہے اس کو مسلمان معاشرے میں ایک اکائی کی حیثیت حاصل ہے اس کے بغیر معاشرے کو متحد و یکجا کرنا ناممکن ہے۔ اس فرض کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تقوے کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الروم: ۳۱]

''اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کا تقویٰ اختیار کرو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

ایک دوسرے مقام پر اسی بات کو مختلف انداز سے بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا:

﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [الأنعام: ۷۲]

''اور تم نماز قائم کرتے رہو اور اللہ رب العزت کا تقویٰ اختیار کیے رکھو وہی ذات ہے جس کے روبرو تم سب کو جمع کیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے نماز اور تقوے کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت مضبوط اور گہرا ربط ہے کیونکہ تقویٰ دل کی کیفیت کا نام ہے اور نماز اس کیفیت کی عملی تصویر ہے دوسرے الفاظ میں تقویٰ ایک روحانی عہد و پیمان ہے اور نماز اس عہد کی عملی تصدیق کا ذریعہ ہے۔

ایک مقام پر نماز کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت: ۴۵]

''بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔''

اس آیت میں اللہ عزوجل نے نماز کو فواحش ومنکرات سے بچاؤ کا ذریعہ قرار دیا ہے اور یہی تقویٰ ہے۔نماز کے اسی مقصد کو حضور ﷺ نے ایک بہت ہی دلکش مثال کے ذریعے واضح کیا ہے:

''سیّدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں یہ دریافت فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے گھر کے قریب نہر بہتی ہو اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں نہائے تو کیا خیال ہے اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواباً عرض کیا

نہیں (اس کے جسم پر کسی قسم کی میل باقی نہیں رہے گی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازوں کی مثال بھی اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے غلطیاں مٹا دیتے ہیں۔'' (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥٢٨)

گویا جس طرح دن میں پانچ مرتبہ نہر میں نہانے سے جسم پر ظاہری طور پر کسی قسم کی میل کچیل باقی نہیں رہ سکتی بالکل اسی طرح دن میں پانچ نمازیں خلوصِ دل کے ساتھ پڑھ لینے سے انسان کی روح پر گناہوں کی آلودگی اور میل کچیل باقی نہیں رہ سکتی اور یہی تقویٰ ہے۔

اس کے برعکس جو نماز اپنے مقصد کے حصول سے قاصر ہو ایسی نماز اور نمازی کے لیے وَیل کی وعید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ o وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ o﴾ [الماعون: ٤-٧]

''نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔ یہ لوگ محض ریاکاری کرتے ہیں۔ اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں۔''

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ اور نماز لازم وملزوم ہیں نماز کے ذریعے تقوے کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب نماز کو مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ سنّت کے مطابق کماحقہ ادا کیا جائے گا اور پیش نظر فقط اللہ کی رضا وخوشنودی ہوگی کیونکہ جس کی نماز اچھی رہی اس کے دنیا وآخرت کے تمام کام سدھر جائیں گے۔ لیکن جس کی نماز بگڑ گئی اس کے سارے سنورے ہوئے کام بھی بگڑ جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں اس فریضے کی مکمل حفاظت کرنی چاہیے تاکہ تقوے کا حصول ممکن ہو سکے کہ یہی راہِ نجات ہے۔

تقویٰ کے فوائد وثمرات

دنیوی فوائد:

۱: محبتِ الٰہی وقربتِ الٰہی: تقویٰ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ کے ساتھ محبت اور قربت پیدا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل وقت میں اپنے ایسے بندے کا ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ درج ذیل آیات اس بات کا پختہ ثبوت ہیں۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ o﴾ [البقرة: ١٩٤]

''اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ o﴾ [آلِ عمران: ٧٦]

''کیوں نہیں جس نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ رب العزت اہلِ تقویٰ سے محبت کرتا ہے۔''

﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o﴾ [الانفال: ٣٤]

''اس (اللہ تعالیٰ) کے دوست تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن اکثر لوگ لاعلم ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [الجاثية: ١٩]

''اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔''

۲: مصائب وآلام سے چھٹکارا: اللہ تعالیٰ متقین کی مشکلات اور پریشانیوں کو دور کر دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o﴾ [الطلاق: ٢]

''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ بنا دیتے ہیں۔''

۳: فراخیِ رزق: متقی شخص کے لیے فراخیِ رزق اور کشادگی کے دروازے وا کر دیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: ٣]

''اور اللہ تعالیٰ (پرہیزگار کے لیے) وہاں سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔''

۴: معاملات میں آسانی: اللہ تعالیٰ متقین اور پرہیزگاروں کے لیے ان کے جملہ امور میں آسانیاں اور سہولتیں پیدا کر دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا o

﴿يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ [الأحزاب: ۷۰،۷۱]

''اے مومنو! خشیت الٰہی اختیار کرو اور کھری بات کیا کرو وہ (اللہ) تمھارے معاملات درست فرما دے گا اور گناہ معاف فرما دے گا۔''

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۝﴾ [الطلاق: ٤]

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ (اللہ) اس کے معاملات آسان فرما دیتا ہے۔''

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۝﴾ [الليل: ٥-٧]

''تو جس نے دیا، یعنی خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ کی طرف سہولت دیں گے۔''

۵: حق وباطل میں تمیز کی صلاحیت: تقویٰ سے انسان صاحبِ عقل وبصیرت بن جاتا ہے جس کی بنا پر وہ حق وباطل میں تمیز اور فرق کی صلاحیت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۝﴾ [الأعراف: ٢٠١]

''یقیناً جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انھیں جب کوئی شیطانی وسوسہ چھوتا ہے تو سنبھل جاتے ہیں اور حقیقت حال کو بھانپ لیتے ہیں۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ [الإنفال: ٢٩]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو وہ تمھیں (حق وباطل میں) تمیز (کی صلاحیت) عطا فرما دے گا۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ [الحديد: ٢٨]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ (اللہ) تم کو اپنی دوگنا رحمت عطا کرے گا اور تمھیں ایسا نور عنایت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

٦: علمِ وہبی کا حصول: تقویٰ کے ذریعے مومن کو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے وہبی علم عنایت ہوتا ہے جو پہلے سے موجود علم نافع کو جلا بخشتا، اس میں مقصدیت پیدا کرتا اور مزید علوم کے دریچے وا کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝﴾ [البقرة: ٢٨٢]

''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اللہ تمھیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔''

۷: نزولِ برکات: متقین وپرہیزگاروں پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول موسلا دھار بارش کی مانند ہوتا ہے اور اُن کے ہر طرف سے برکات کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الأعراف: ٩٦]

''اگر بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

اُخروی فوائد:

۱: قبولیتِ اعمال: ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۝﴾ [المائدة: ٢٧]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کے اعمال کو ہی قبول کرتا ہے۔''

۲: گناہوں کی معافی: اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور ان کو بخشش کے ساتھ ساتھ اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

﴿وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ٥﴾ [الأنفال: ۲۹]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو وہ تمھیں (حق و باطل میں) تمیز (کی صلاحیت) عطا فرما دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل کا مالک ہے۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ٥﴾ [الحجرات: ۱۰]

''اور اللہ سبحانہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥﴾ [الحديد: ۲۸]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ (اللہ) تم کو اپنی دوگنا رحمت عطا کرے گا اور تمھیں ایسا نور عنایت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا٥﴾

[الطلاق: ۵]

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ رب العزت اُس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

۳: اجرِ عظیم کا حصول: اللہ جل شانہ متقی اہل ایمان کو اجرِ عظیم سے نوازے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ٥﴾

[آلِ عمران: ۱۷۹]

''اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمھارے لیے اجرِ عظیم (کا وعدہ) ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا٥﴾

[الطلاق: ۵]

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ رب العزت اُس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

۴: فوز و فلاح کی ضمانت: تقویٰ اور پرہیزگاری دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کی ضمانت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥﴾ [البقرة: ۱۸۹]

''اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پا سکو۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥﴾ [آلِ عمران: ۲۰۰]

''اے ایمان والو! صبر کرو، باہم صبر کی نصیحت کرو، جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا سکو۔''

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ٥ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ٥﴾ [یونس: ۶۳،۶۴]

''جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا اُن کے لیے دنیا و آخرت میں بشارتیں ہیں اللہ کے فیصلے غیر مبدل ہیں یہی تو عظیم کامیابی ہے۔''

۵: جنت میں داخلہ: تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے سے انسان کو وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس مل جائے گی جس کے لیے دنیا کا یہ میدان سجایا گیا ہے اور انسان کو اس کی اچھی کارکردگی پر وہ کھوئی ہوئی جنت دوبارہ عطا کر دی جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ٥﴾

[آلِ عمران: ۱۳۳]

''اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف کہ جس (جنت) کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے یہ متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

(باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر ملاحظہ کریں)

اصلاحِ معاشرہ

بچے؛ حفظ قرآن اور دین سے رغبت؟

(ایک بہن کے خط کے جواب میں)

ام عبد منیب

آج کل مسلمان گھرانوں کے لیے یہ مسئلہ کافی پریشان کن ہے کہ ان کے بچے دین کے والہانہ لگاؤ سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کے بچوں کی طرح میرے بھی تین بچے الحمد للہ قرآنِ حکیم حفظ کرنے میں کوشاں تھے، اس لیے اپنے احساسات تحریر کر رہی ہوں۔ ورنہ اس مسئلہ کا اصل حل والدین کی دعائیں ہیں، جن کی قبولیت کی سند رحمۃ للعالمین ﷺ سے مل چکی ہے۔

بچے کی تعلیم و تربیت پر تین عوامل اثر انداز ہوتے ہیں:

۱۔ گھر ۲۔ معاشرہ ۳۔ اساتذہ

گھر:

گھر کی بنیادی اکائی والدین ہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ بچے کو ایک غیر معمولی نعمت سمجھیں۔ اس کی تعلیم و تربیت کے اصولوں سے واقفیت حاصل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ماں بچے کی نگران ہے۔ اس نگرانی کے تقاضے کیا ہیں؟ اس سے آگاہی حاصل کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ جس طرح غیر مستند ڈاکٹر مریضوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے اسی طرح بچے کی تربیت کے اصولوں سے لاعلم والدین بچوں کی نفسیاتی، روحانی اور جسمانی صحت کو بگاڑ دیتے ہیں۔

بچہ ایک ننھا منا صاف شفاف ذہن لے کر آتا ہے۔ اس کے ذہن پر قرآنِ حکیم کے تقدس، احترام اور اس پر عمل کے نقوش ثبت کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ذہن بنانے کے لیے ابتدائی دس بارہ سال ہی موزوں ہوتے ہیں۔ اگلے چند سال زمانۂ بلوغ سے تعلق رکھتے ہیں جن میں بچے کے خیالات اور جذبات مد و جذر کی سی کیفیت سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ گویا سولہ سترہ سال تک والدین کو بچوں کی تربیت سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اگر اسلامی تعلیم کے مطابق اس عمر میں بچے کا نکاح کر دیا جائے تو وہ سنبھل جاتا ہے۔ نگرانی کا فریضہ کچھ نرم پڑ جائے تو کچھ حرج نہیں، کیوں؟ اس کی تفصیل پھر کبھی۔

اگر نکاح نہ کیا جائے تو نکاح تک مسلسل چوکنا رہنے اور بچے کی گھر میں ہو یا باہر، مکتب میں ہو یا دفتر نگرانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

اکثر والدین بچوں کو حافظِ قرآن بنانا چاہتے ہیں لیکن وہ گھریلو فضا کو حفظِ قرآن میں مدد دینے والے عوامل سے آراستہ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جہاں گھنٹا، باجا، کتا، جاندار کی تصویر، درندوں کی کھال ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت، نماز اور ذکر الٰہی فرشتوں کے نزول کا باعث ہے لیکن ان کی آمد میں رکاوٹ بننے والی چیزوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ کسی اہم مہمان کی آمد پر ہم گھر کی صفائی کرتے ہیں، کوڑا کرکٹ باہر پھینک دیتے ہیں، بدنما اشیاء چھپا دیتے ہیں، کیا ہم اللہ کے فرستادہ معزز مہمانوں، رحمت کے فرشتوں کی آمد کو یقینی بنانے کے لیے تصویر، آلاتِ موسیقی، یا دیگر ناپسندیدہ اشیاء کو گھر بدر کرتے ہیں؟

بچہ مکتب سے گھر آئے تو اس کا استقبال، میوزک، ٹی وی، بازاری فحش لٹریچر، اخبارات و رسائل پر چھپنے والی ننگی تصاویر کریں تو یقیناً اس کا دن بھر کا قرآنی جذبہ اس کے دماغ سے غائب ہو جائے گا۔

والدین کا وقت اور صلاحیت خصوصاً والدہ بچے کے لیے وقف ہونا چاہیے۔ مائیں گریجوایٹ ہونے کے باوجود بچے کو حروفِ تہجی تک

سکھانے کے لیے نرسری یا ٹیوٹر کا سہارا لیتی ہیں۔ ماں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نرسری سکولوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔ جو والدین کی کمائی کا کثیر حصہ فیس کی صورت وصول کر لیتے ہیں۔ اس طرح والدین مزید کمانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اسکول بچے کو لفظ تو سکھا دیتے ہیں لیکن اس کی شخصیت بگاڑ دیتے ہیں۔ اس طرح والدین کو مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ماں ملازمت کی بجائے بچے کی ابتدائی تعلیم کا شعبہ خود سنبھال لے تو معاشرے سے اخلاقی بے راہ روی، دین سے دوری اور ناخواندگی کی شرح پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ والدین اور اولاد میں فاصلے ختم کیے جا سکتے ہیں۔ والد کو چاہیے کہ فکر معاش کے بعد کچھ وقت بچے کی تعلیم وتربیت پر صرف کرے۔ والد کم ازکم ایک گھنٹا صبح وشام بچوں کے لیے وقف کرے۔ خصوصاً اپنے ساتھ مسجد میں بروقت لے جانے میں کبھی سستی نہ کرے۔ بچے میں دین کا لگاؤ پیدا کرنے کے لیے دین کے ہر حکم پر پابندی لازم ہے۔ گھر میں اٹھتے بیٹھتے آیات کی تلاوت کرنا والدین معمول بنا لیں۔ اگر گھر میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل نہیں تو بچہ دین اور حفظ سے متنفر ہوجائے گا۔ قرآن اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

معاشرہ:

موجودہ معاشرہ، شیطانی اور موسیقی، ننگی تصاویر، بے ہنگم شور، جھوٹ، بددیانتی، رشوت، لوٹ کھسوٹ، نام ونمود، قول وفعل کے تضاد، غیر اسلامی رسومات کے طوق، بے جا تقریبات کے انعقاد، آرٹ اور فیشن کے نام پر بے حیائی کی تشہیر میں سرتاپا لتھڑا ہوا ہے۔

اس میں عزت صرف کرکٹروں، ایکٹروں، گویوں، سازندوں، دولت مندوں، سیاسی عہدے داروں اور غنڈوں کی ہے۔ دین پر عمل پیرا طبقہ حفاظِ قرآن، امام صاحبان، قاری حضرات کو نشانہ تضحیک بنانا ایک معمول ہے۔ یہاں تک کہ ادب میں بھی ناصح، زاہد، واعظ اور شیخ کا استہزا کیا جاتا ہے۔

نصابی کتب میں غیر اسلامی نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ رسائل واخبارات، ٹی وی، ریڈیو، سب اسلام سے متنفر کرنے والا مواد پیش کرنے میں مصروف ہیں۔ بچے پر اس کے اثرات مرتب ہونا لازمی ہیں جب کہ بڑے بھی اسی رویے کا شکار ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ جو بچہ اسکول میں فرسٹ آئے، کالج میں اچھے نمبر لے، کھیلوں میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے، تمغہ جیتے، ڈراموں میں نمبر لے۔ اس کا لوگ فخریہ انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ اخبارات ورسائل اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ لیکن جو بچہ حفظ میں غیر معمولی ذہانت دکھائے، اسلامی علوم میں تخصص حاصل کرے، اوّل آئے، اس کی تحسین دنیاوی علوم میں فرسٹ آنے والوں کے مقابلے میں بہت کم کی جاتی ہے۔ حالانکہ زبانِ رسالت کے مطابق بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔

والدین اس معاشرے کو بدل تو نہیں سکتے لیکن اپنا علمی وعملی وزن اسلامی علوم رکھنے والے اور دین پر عمل کرنے والے افراد کے پلڑے میں ڈالیں۔ اپنے احباب، اٹھنے بیٹھنے والے، رشتے ناطے کرنے کے لیے اسی معزز طبقے کا انتخاب کریں تاکہ بچے کا زیادہ وقت دین پسند حضرات میں گزرے۔ اسے ہر طرف سے قرآن کی محبت کی غذا ملتی رہے۔

ماڈرن یا ترقی پسند اشخاص یا اعزہ سے میل جول اس انداز سے رکھا جائے کہ وہ ہمارا دینی تشخص دیکھ کر مرغوب ہوں۔ اسی کی افادیت کے قائل ہوں۔ اگر ہم خود یا ہمارے بچے اس طبقے سے متاثر ہونے لگیں تو فوراً تعلقات میں کمی کر دینی چاہیے تاکہ دین محفوظ رہے۔ والدین بچے کو باہر سے حملہ آور ہونے والے تمام منفی اثرات سے بچائیں۔ لادینی طوفان کو روکیں، دینی تعلیم کے فوائد سے دلیل کے ساتھ آگاہ کریں۔ اپنے عمل سے دین کو بچے کی نگاہ میں جاذبِ نظر بنائیں، مسلمان کی زندگی تو ہے ہی مسلسل جہاد۔ شیطان کو اپنا کام کرنا ہے اور مسلمان کو اپنا کام۔ ہمت ہارنے کے بجائے مردانہ وار ایمان اور عمل کا پرچم بلند کرکے مقابلہ کریں۔ اپنی نسلوں کو غیر اسلامی تہذیب اور رسومات سے بچائیں۔ مدد خود اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے۔

قاری صاحبان:

قاری صاحبان کی اکثریت صرف معاش کے لیے یہ پیشہ اختیار کرتی ہے۔ چونکہ وہ بھی معاشرے ہی کا ایک حصہ ہیں اس لیے ان کی نظر تنخواہ اور بچوں کے والدین سے ملنے والے تحائف پر ہوتی ہے اور جب نفسی لالچ پیدا ہوجائے تو خلوص ودیانت پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ ان کے قول وفعل کے تضاد کی نشان دہی آپ نے خود کی ہے جو واقعتاً بہت بڑی خامی ہے۔ بچے کے لیے نمونہ اساتذہ ہوتے ہیں اگر ان کے اخلاق ہی گراوٹ کا شکار ہوجائیں تو بچوں میں بلندیِ کردار کہاں سے آئے؟

قاری صاحبان بچوں میں قرآنِ حکیم کی لگن، اس کے تحفظ، ادب واحترام، اس پر ایمان ویقین کی لذت شاگردوں میں پیدا ہی نہیں کرتے۔ اکثر کو تو شاید یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کا شعبہ منصب رسالت کا ایک شعبہ ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ.

منصب رسالت کے اس شعبہ کی ترویج کی ذمہ داری قاری صاحبان کے سپرد ہے۔ کاش وہ اپنے علم وعمل سے اس کی حفاظت کرسکیں۔ معاشرہ بھی ان کے اس منصب کی عزت نہیں کرتا نہ ہی اسے تسلیم کرتا ہے۔ عہد سلف میں اساتذہ حصولِ معاش کے بجائے انسانوں کو اور اپنے آپ کو مسلمان بنانے کے لیے علم حاصل کرتے تھے لیکن آج یہ مقصد ختم ہوچکا ہے۔

اساتذہ بچوں کو سزا دینے میں فراخ دلی سے کام لیتے ہیں۔ بچے کو خود ہی بگڑے ہوئے ناموں اور گھٹیا القابات سے نوازتے ہیں۔ نرسری اسکولوں یا دیگر دنیاوی اسکولوں میں بچوں کو جس پیار سے پڑھایا جاتا ہے اس کا قاری صاحبان میں فقدان ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ تمام قاری صاحبان ایک سے ہیں۔ الحمدللہ حسن عمل اور حسن ایمان سے آراستہ، اسلاف کا دل رکھنے والے بلند کردار کے مالک قاری واساتذہ بھی موجود ہیں جن کی بہ دولت ایمان وعمل سے ہمارا رشتہ آج بھی قائم ہے۔ البتہ جس طرح معاشرے کی اکثریت بے راہ رو ہے اسی طرح ان کی اکثریت بھی عمل سے عاری ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ معاشرے کی ناقدری بلکہ نشانہ استہزاء وتضحیک بنانا ہے۔

بے معنی قرآنی تعلیم ایک اور سبب:

قرآنِ حکیم کی تعلیم اور حفظ میں جی نہ لگنے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہم بچے کو صرف الفاظ یاد کراتے ہیں۔ بچہ ان کے معانی سے ناآشنا ہوتا ہے۔ الفاظ کو بغیر مطلب سمجھے ترتیب سے یاد کرنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ تو اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس کی کتاب کے حفاظ کی بہت بڑی تعداد اس کے باوجود موجود ہے۔ غیر زبان کی اتنی طویل عبارت یا کتاب کو اتنی بڑی تعداد کے زبان ازبر کرنے کی دنیا میں کوئی مثال ہے نہ ہوگی۔

تھوڑی دیر کے لیے سوچیے غیر زبان میں ایک صاحب تقریر کررہے ہوں ہم اس سے نابلد ہوں تو فوراً اکتا جائیں گے اور اسے سننا بند کردیں گے۔ قرآنی الفاظ کو سوچے سمجھے بغیر پڑھنا یا سننا ہمارا از خود پیدا کردہ نامناسب رویہ ہے۔

ہم بچے کو انگلش، فارسی، یا دیگر علوم کے الفاظ اور اصطلاحات کا مطلب پڑھاتے ہوئے ساتھ ساتھ بتانا بلکہ تفصیل سے بتانا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کے ذہن نشین ہوجائیں۔

لیکن قرآنی حروف والفاظ سکھاتے ہوئے یہ طریقہ نہیں اپنایا جاتا حالانکہ یہی وہ مقدس کتاب ہے جس کا حق ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ ایک ایک حکم پر عمل کے بعد آگے بڑھا جائے۔ کاش ہم اس کا آج ہی احساس کرلیں۔ بچہ جب سمجھ کر پڑھے گا تو یقیناً لطف اندوز ہوگا۔ اس میں دلچسپی لے گا۔ اسی پر عمل کرے گا۔ پڑھانے والوں کو بھی اس کے خلاف بچوں کے سامنے عمل کرتے ہوئے شرم محسوس ہوگی۔ ہمیں اس کام کی تحریک چلانے کے لیے اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔ ہمارے دین سے دوری کے اسّی فی صد اسباب کا یہی حل ہے۔

خلافت اسلامیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظامِ حکومت

محمد اسماعیل

اسلام میں باقاعدہ حکومت کی داغ بیل تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتی ہے لیکن باقاعدہ نظامِ حکومت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قائم ہوا۔ حضرت عمر نے ایک طرف علاقوں کے علاقے فتح کیے تو دوسری طرف بہترین نظام حکومت قائم کیا اور اپنی زندگی میں وہ تمام شعبے جو ایک ترقی یافتہ سلطنت کے لیے ضروری ہوتے ہیں قائم کر دیے۔ مولانا شبلی فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اس کے تمام اصول وفروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں جمہوری حکومت کی روح ہیں، وہ سب وجود میں آ گئیں۔ ان میں سب کا اصل الاصول ''مجلس شوریٰ'' پارلیمنٹ کا انعقاد تھا، یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ اربابِ شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ (الفاروق: ۲/۱۰ شبلی نعمانی)

مناسب ہوگا اگر جمہوری حکومت کی تعریف بھی مولانا شبلی نعمانی ہی کی زبان سے بیان کر دی جائے۔ وہ جمہوری حکومت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے، یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق ہوگا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار ومدار صرف ایک پر ہوتا ہے۔ (الفاروق: ۲/۹)

مولانا شبلی نعمانی کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت جمہوری تھی اور جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ مجلس شوریٰ میں ہی ہوتا تھا اور کثرت رائے سے ہوتا تھا۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا ہوا تھا تاکہ انتظام سلطنت میں آسانی رہے۔ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

اُنھوں نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے ممالک مقبوضہ کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ مؤرخ یعقوبی نے آٹھ کی بجائے سات صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۰ ہجری میں کیا تھا۔

(الفاروق: ۲/۱۵)

ہر صوبے میں مندرجہ ذیل بڑے عہدے دار ہوتے تھے:

والی، یعنی گورنر۔ کاتب، یعنی میر منشی۔ کاتب دیوان، دفتر فوج، کا میر منشی، صاحب الخراج، یعنی کلکٹر۔ احداث، یعنی پولیس افسر۔ صاحب بیت المال، یعنی وزیر خزانہ۔ قاضی، یعنی جج۔ ہر صوبہ میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا۔ اضلاع میں عامل، افسر خزانہ اور جج ہوتے تھے جو گورنر کے ماتحت کام کرتے تھے۔ ہر تحصیل میں تحصیلدار ہوتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا عملہ کام کرتا تھا۔

محکمہ مال:

اس محکمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سی اصلاحات کیں اور زمین کی پیمائش کے لیے مشہور صحابی عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ انھوں نے زمین کی بالکل صحیح پیمائش کی اور پیمائش کے لیے جو پیمانہ بنایا گیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے خود بنایا تھا۔ جنگلوں، پہاڑوں وغیرہ کو چھوڑ کر جو قابل کاشت زمین تھی وہ قریباً تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب (ایک کروڑ پینتیس لاکھ ایکڑ تقریباً) تھی۔ ملکی

زمین کے جابرانہ قانون مٹا دیے۔ غیر آباد زمینوں کے لیے حکم دیا کہ جو شخص ان کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اگر تین سال تک آباد نہ کرے گا تو زمین اس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔ لگان (مالیہ) مقرر فرمایا جو سال بھر میں ایک بار وصول کیا جاتا تھا۔ وہ حسب ذیل تھا:

گیہوں	فی جریب	۲ درہم سالانہ
کماد	فی جریب	۶ درہم سالانہ
انگور	فی جریب	۱۰ درہم سالانہ
تل	فی جریب	۸ درہم سالانہ
جو	فی جریب	۱ درہم سالانہ
کپاس	فی جریب	۵ درہم سالانہ
ترکاری	فی جریب	۳ درہم سالانہ

(الفاروق، جلد دوم)

لگان کے علاوہ خراج، عشر، زکاۃ، جزیہ، مالِ غنیمت کا خمس وغیرہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔ زکاۃ مسلمانوں پر مخصوص تھی اور زکاۃ سے کوئی آمدنی علیحدہ نہ کی جاسکتی تھی۔ یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ غرضیکہ ہر جنس پر زکاۃ تھی۔

محکمہ عدالت:

جمہوریت میں لازم ہے کہ عدلیہ، انتظامیہ سے علیحدہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے چند ہی روز بعد اس کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں اور جج مقرر فرمائے۔

آپ جج اس کو مقرر فرماتے جس کو اس کا اہل سمجھتے۔ اور جو مال دار اور معزز ہوتا تھا۔ انصاف میں مساوات کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابی کعب رضی اللہ عنہ میں کسی بات پر جھگڑا ہوا تو ابی بن کعب قاضی زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ لے گئے۔ قاضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا: تم نے یہ پہلا ظلم کیا۔ اتنی بات کہہ کر ابی بن کعب کے پاس بیٹھ گئے۔ ابی بن کعب کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ قانون کے مطابق ابی بن کعب نے حضرت عمر سے قسم لینی تھی۔ لیکن قاضی نے کہا کہ امیر المومنین سے قسم نہ لو۔

حضرت عمر نے زید بن ثابت (قاضی) کو غصہ میں آکر ڈانٹا اور حکم دیا جب تک تم ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ عنہ (امیر المومنین) کو ایک جیسا نہ سمجھو گے تم قضا کے لائق نہیں ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتی بھی مقرر فرمائے کیونکہ عدالت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔

محکمہ پولیس:

اس وقت محکمہ پولیس کو احداث کہتے تھے اور پولیس افسر کو صاحب احداث۔ بحرین پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ قدامہ کو تو تحصیل مالگزاری کے لیے مامور فرمایا اور حضرت ابوہریرہ کو پولیس کے جملہ اختیارات دیے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً: دکاندار کم نہ تولیں، کوئی سڑک وغیرہ پر ناجائز طور پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر بوجھ زیادہ نہ لادا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور ہر جگہ افسر مقرر فرمائے۔ مجرموں کے لیے جیل خانے بھی تھے اور جلاوطنی کی بھی سزا دی جاتی تھی۔

محکمہ بیت المال یا خزانہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے مشورہ کے ساتھ بیت المال قائم کیا۔ سب سے پہلے بیت المال مدینہ منورہ (صدر مقام میں) قائم کیا اور بعد ازاں تمام صوبوں میں بیت المال قائم کیے۔ ان کے حساب کے لیے افسر اور عملہ مقرر فرمایا۔ صوبائی بیت المال سے جتنی رقم کی ضرورت صوبائی اخراجات کے لیے ہوتی وہ رکھ لی جاتی باقی مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

محکمہ رفاہِ عامہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رفاہِ عامہ کے لیے بھی بہت سا کام کیا۔ آپ نے سڑکیں اور پل بنوائے۔ مکہ سے مدینہ شریف تک چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔ نہریں کھدوائیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

نہر ابی موسیٰ:

یہ نہر دجلہ سے کھود کر بصرہ تک لائی گئی تھی جس کی لمبائی ۹ میل تھی اور جس کے ذریعے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی۔

نہر معقل:

اس کی کدھائی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کرائی تھی۔ اس لیے انھی

کے نام سے منسوب ہوگئی۔

محکمہ دفاع:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی نظام کے بڑے بڑے مرکز قائم کیے۔ جن کا نام ''جند'' رکھا اور وہ مندرجہ ذیل تھے:

مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین۔ اوران میں فوجوں کے جملہ انتظامات۔

۱: فوجوں کے رہنے کے لیے بارکیں تھیں۔

۲: ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں ہر وقت چار چار ہزار گھوڑے مع ساز وسامان تیار رہتے تھے۔

۳: فوجوں کے متعلق ہر قسم کے کاغذات یہاں رہتے تھے۔

۴: رسد کے لیے جو غلہ وغیرہ ہوتا تھا وہ انھی مقامات میں رکھا جاتا تھا۔

شہروں کا آباد کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں کو آباد کرنے کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی اوران میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

بصرہ، کوفہ، موصل، فسطاط وغیرہ۔ اور یہ شہر ہمیشہ تاریخی حیثیت کے حامل رہے ہیں اور ان میں سے اکثر آج بھی اپنی تاریخی حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان شہروں میں بڑے بڑے محدث، مدبر اور سیاست دان پیدا ہوئے جن کی وجہ سے ان کو مزید شہرت حاصل ہوئی۔

محکمہ تعلیم:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم کو بہت ترقی دی جس علاقے کو فتح کرتے تھے وہاں ابتدائی تعلیم کا انتظام فرما دیتے تھے۔ وہاں قرآنِ مجید اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم کے لیے بڑے بڑے اصحاب اور علماء مامور تھے۔ اساتذہ کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تعلیم کا زیادہ تر انحصار مذہب پر تھا لیکن غیر مسلم لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ اسلامی تعلیم ضرور حاصل کریں۔ اشاعت اسلام کے لیے یہ تھا کہ غیر مسلموں کو نمونہ بن کر دکھایا جائے تاکہ وہ اسلام کی طرف خود بہ خود چلے آئیں۔ تبلیغ اسلام کے لیے بڑی بڑی مساجد بنوائیں۔ اور ان میں بڑے بڑے فقہاء اور معلّمین مقرر فرمائے۔ مساجد میں اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں بھی مقرر کیں۔ غرض کہ مساجد کے جملہ اخراجات کا انتظام کیا۔

اقلیتوں کے حقوق:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مختلف علاقوں کو فتح کیا تو وہاں کی اقلیتوں کو وہ تمام حقوق عطا فرمائے جو ایک شہری کے لیے ضروری ہوتی ہے، بلکہ ان کے ساتھ اس طرح معاہدے کیے جس طرح ایک برابر والے کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ یہاں ہم بیت المقدس کے معاہدہ کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں، جس سے یہ واضح ہوجائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اقلیتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے:

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اوران کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اوران کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے تاآنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے اس کو بھی امن ہے اوراس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلا والوں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اوران کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، خدا کا، خلفاء کا، مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔''

اس تحریر پر خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم گواہ ہیں۔ یہ مسودہ ۱۵ ہجری میں لکھا گیا۔

سیرت وسوانح

قسط نمبر ۲

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

انٹرویو حافظ محمد دین رحمہ اللہ:

جنجوعہ: محترم مکرم حافظ صاحب! آپ نے کوٹ بھائی خان میں بچپن گزارا۔ آپ کے دوست کون سے ہیں؟

حافظ صاحب: خطبہ مسنونہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھا، پھر فرمانے لگے کہ میرے والدین نے ہم علم ساتھیوں سے میل جول رکھا۔ اُن کی غمی وخوشی میں شریک ہوئے لیکن انھوں نے دوستی بزرگوں سے رکھی۔ میں نے بھی اُن کی پیروی کی۔ ہم مکتب اور محلّہ کے بچے گلی کوچہ میں گزرتے ہوئے اگر مل جاتے تو میں خوش اخلاقی سے انھیں ملتا، سلام دعا کر کے گزرتا لیکن کسی کو دوست نہ بنایا۔ کیونکہ دوست وہ ہوتا ہے جس سے ملنے کے لیے دل بے تاب ہو اور جب ملاقات ہوجائے تو جدا ہونے کو جی نہ کرے۔ اس لحاظ سے میں نے کوٹ بھائی خان میں دو بزرگوں کو دوست بنایا۔

میاں برہان الدین صاحب جو مسجد اہل حدیث کوٹ پہلوان کے خطیب تھے۔ وہ تبلیغی وسیاسی اور سماجی امور میں قائدانہ کردار ادا کرتے تھے۔ دورانِ طالب علمی اُن کی صحبت سے فیض اٹھاتا رہا۔ اُن کی تربیت سے انسانی خدمت کے جذبہ کا اثر تاحال قائم ہے۔

دوسرے دوست آپ (راقم) کے دادا جان اللہ دین تھے۔ وہ تقویٰ وطہارت اور فہم وفراست کی وجہ سے گاؤں میں معروف تھے۔ گاؤں کے اکثر لوگ خاندانی معاملات کے حل کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ کسی خاندان میں اگر تنازعہ ہوجاتا تو وہ صلح وصفائی کے لیے پہنچ جاتے۔ آپ فریقین کی گفتگو سن کر احسن انداز سے معاملہ سلجھا دیتے۔ میں نے معاملہ فہمی اور صلح جوئی کا سلیقہ اُن کی مجلس سے سیکھا۔ وہ موقع کی مناسبت سے مجھے نصیحتیں کرتے رہتے اور بزرگوں کی زندگی کے سبق آموز واقعات سناتے۔

جنجوعہ: بچپن میں آپ کی غیر نصابی سرگرمیاں کون سی تھیں؟

حافظ صاحب: والدین کا حکم تھا کام جانے یا ہم، تم نے حفظ کرنا ہے یہ ہماری خواہش ہے۔ تاہم میں روٹی کھانے کے لیے گھر جاتا یا جمعہ کو چھٹی ہوتی تو والدین کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

دراصل مجھے پڑھائی کا شوق تھا اُس سے کبھی غافل نہیں ہوا۔

جنجوعہ: آپ کے دور میں گاؤں کے دینی گھرانوں میں حفظ قرآن کا شوق تو تھا۔ آپ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا ذوق کس طرح پیدا ہوا؟

حافظ صاحب: ہمارے گاؤں میں کئی حفاظ کرام تھے لیکن اُن کو یہ پتا نہ تھا کہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ اللہ نے کون سے احکام جاری فرمائے ہیں؟ وہ سال بھر نماز کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ جب رمضان آتا تو وہ مصلے کے وارث بن جاتے ہیں۔ اس لیے مجھے ترجمہ سمجھنے کا بے حد شوق تھا۔

جنجوعہ: آپ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہاں تشریف لے گئے؟

حافظ صاحب: اپنے گاؤں میں استاد میاں برہان الدین سے سن رکھا تھا کہ سرگودھا میں مدرسہ ہے۔ کس جگہ تھا اس کا علم نہ تھا۔ قرآن فہمی کے ذوق کی تکمیل کے لیے سرگودھا میں پہلی بار جانے کا اتفاق ہوا۔ پوچھتے ہوئے مدرسے میں پہنچ گیا۔

میں جب مدرسے میں داخل ہوا تو مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ بلوغ المرام پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے میرے آنے کا مقصد پوچھا میں نے پنجابی زبان میں مدعا بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تمھیں ضرور

پڑھائیں گے لیکن اس وقت میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اُن کے پاس دو دکاندار حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اس لڑکے کو پڑھنے کا شوق ہے۔ آپ اس کو داخل کرلیں اس کے حصہ کی گندم کی دو بوریاں ہم دیں گے۔ اس طرح مولانا نے مجھے مدرسہ دارالحدیث میں داخل کرلیا۔ یہ ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔

جنجوعہ: آپ نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟

حافظ صاحب: مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ نے ۱۹۵۸ء میں مدرسہ کو ڈی بلاک سٹلائٹ ٹاؤن منتقل کردیا جہاں میں نے صرف ونحو اور حدیث وعلومِ حدیث وغیرہ علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ تمام تعلیم مفتی صاحب سے حاصل کی۔ البتہ مشکاۃ سے کچھ اسباق مولانا عبدالستار محدث دہلوی سے پڑھے۔ سرگودھا اور بھکر کے علاقوں میں اُن کے معتقد تھے۔ وہ اُن کو ملنے آتے تو کچھ ایام جامعہ علمیہ میں ٹھہرتے۔ تاہم حدیث کے کچھ اسباق حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کو سنائے اور پڑھے۔

جنجوعہ: آپ نے حافظ محدث روپڑی رحمہ اللہ سے کہاں حدیث پڑھی؟

حافظ صاحب: میرے شفیق استاد مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کو روپڑی خاندان کے تمام افراد سے اُنس تھا۔ وہ اُن کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے۔ مزید برآں جب مفتی صاحب رحمہ اللہ کو علمی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ مجھے اپنا خادم سمجھ کر ساتھ لے جاتے اور کچھ دن لاہور قیام کرتے۔ اسی دوران میں نے حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ سے حدیث کا فیض حاصل کیا۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔

جنجوعہ: مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کے کچھ حالات بیان فرمائیں۔

حافظ صاحب: مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کی پیدائش فیروز والا گاؤں میں ہوئی۔ وہ ابتدائی دینی ودنیوی تعلیم کے بعد علمِ حدیث کی پیاس بجھانے کے لیے جامعہ رحمانیہ دہلی گئے۔ منتظم مدرسہ نے اُن کی سادگی کو دیکھ کر داخلہ نہیں دیا اور اُن کے ہمراہ گاؤں کے نمبردار کا بیٹا تھا اُسے داخلہ مل گیا جو چند دن بعد واپس گھر آ گیا۔ مفتی صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ کسی بچے کی سادگی وغربت کو دیکھ کر داخلہ سے انکار نہ کرنا چاہیے بلکہ بچے کے ذوق شوق کا جائزہ لے کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ میرے استاد صاحب جامعہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ سے انکار پر مایوس نہ ہوئے بلکہ انھوں نے مجتہد العصر حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کے ہاں دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر انھوں نے مولا بخش لدھیانوی کے ہاں جامعہ بخاری کا اعادہ کیا۔ وہ مولانا محمد اسمٰعیل کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔

استاذ مکرم مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ نے سرگودھا میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو اُس وقت مفتی محمد شفیع دیوبندی خطیب جامع مسجد بلاک نمبرا کا ضلع بھر میں اثر ورسوخ تھا۔ انھوں نے امتیازی مسائل پر بحث کا آغاز کیا۔ مفتی صاحب نے مدلل انداز میں جواب دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تصنیف ''راہ سنت'' بہت مقبول ہوئی۔

علمی حلقوں میں پوتے کی وراثت کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ مفتی صاحب نے قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل دیے۔ عدالتی حلقے میں آپ کو علمی شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے وراثت کے موضوع پر مفصل اشتہار شائع کیا جس میں نقشہ کی صورت میں وضاحت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے خاندان کے کن افراد کو وراثت میں شریک کیا اور اُن کا کس قدر حصہ ہے؟ عام فہم آدمی بھی اشتہار دیکھ کر وراثت کے مسئلہ کو حل کرسکتا ہے۔ وہ مسئلہ وراثت کے ماہر تھے اور عدالتی حلقوں میں مفتی صاحب کے فیصلے کو ترجیح دی جاتی تھی۔

جنجوعہ: ضلع سرگودھا کے جماعتی احباب آپ کو اہل حدیثوں کا پٹواری کیوں کہتے ہیں؟

حافظ صاحب: تقسیم ہند سے قبل اہل حدیث احباب اپنے علماء کو ہفتہ بھر گھر میں رکھتے اور اُن کے وعظ ونصیحت سن کر ایمان تازہ کرتے تھے۔ مشرقی پنجاب کے اہل حدیث ہجرت کرکے پاکستان آئے تو وہ خاندانی طور پر اکٹھے نہ پہنچ سکے۔ وہ مختلف علاقوں میں آ کر آباد ہوئے۔ وہ کسی چک میں اتنی تعداد میں نہ تھے کہ اپنی مسجد بنا سکیں۔ وہ کسی مقام پر رفع الیدین کرتے اور

آمین بالجہر پکارتے تو مقامی لوگ انھیں ''وہابی'' کہہ کر اظہار نفرت کرتے تھے۔انھیں خدشہ لاحق ہوا کہ یہ لوگ ہمیں وہابی سمجھ کر زمین بھی نہ الاٹ کریں گے۔ وہ اس لیے نماز عموماً گھروں میں پڑھ لیتے تھے۔

اگر کسی نے مفتی محمد صدیق کا دل دکھایا پھر وہی شخص مسلک کی بنا پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔تو آپ نے اس کی ہر ممکن خدمت کی ہے۔مفتی صاحب کو جب صورت حال سے آگاہی ہوئی کہ فلاں فلاں چک میں اہل حدیث خاندان آباد ہیں تو آپ نے مجھے خادم سمجھ کر ہمراہ لیا اور گھر گھر پہنچے اور اُن کو حوصلہ دیا کہ ہم جماعت کے خادم ہیں، آپ کے گھروں کی روٹیاں کھائی ہیں، خود کو منظم کرو اور باجماعت نماز قائم کرو۔تو وہ کہنے لگے حالات ایسے نہیں اگر باہر نکلے تو کئی مسائل جنم لیں گے۔مفتی صاحب نے وعظ و نصیحت کی کہ زمین دینا اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔

ضلع سرگودھا کے جن علاقوں میں اہل حدیث آباد ہوئے مفتی صاحب نے خود جا کر اروڑی کے احاطہ میں جائے نماز بچھوائی اور لوٹا رکھوایا اور کہا کہ یہاں نماز پڑھو پھر نلکا لگوا دیا اور سرگودھا سے صف بھیج دی۔ اس طرح دیکھا دیکھی چک ۱۰۱، ۲۹، ۳۰ اور ۱۲۵ میں بھی اہل حدیث مساجد کی بنیاد رکھی گئی۔

میرے استاد مفتی صاحب رحمہ اللہ کا سرگودھا کی علمی حلقوں میں اثر ورسوخ تھا۔ جماعتی احباب الاٹ منٹ کے سلسلہ میں شہر آتے تو مدرسہ میں رہتے تھے۔مولانا صاحب اُن کی آؤ بھگت کرتے اور شہری احباب سے مل کر اُن کی قانونی معاونت کرتے۔

ضلع سرگودھا کے علاقوں میں آباد اہل حدیثوں کا روحانی طور پر تعلق روپڑی خاندان سے تھا۔ جب حالات پرسکون ہوئے تو انھوں نے علماء کو دعوت دی۔ آنے والے معزز مہمان پہلے جامعہ علمیہ تشریف لاتے تو میں بھی اُن کے ہمراہ ہوتا۔

شہر کے جماعتی زعماء جامعہ علمیہ کی کفالت یا جماعتی نظم کے لیے سرگودھا خوشاب کے دیہی علاقوں کا دورہ کرتے۔ وہ بھی مجھے ساتھ رکھتے۔اس لیے میرے ساتھی مجمع از راہِ تفنن اہل حدیثوں کا پٹواری کہتے ہیں۔ اس اعزاز میں میرا نہیں میرے استاد مفتی محمد صدیق کا کمال ہے جن کے مدرسہ میں رہ کر علم حاصل کیا اور انھوں نے مجھے خادم سمجھ کر سفر وحضر میں ہمراہ رکھا۔ اس بنا پر سرگودھا، خوشاب، میانوالی اور بھکر کے اہل حدیثوں کو جانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں۔ اس دیرینہ تعلق کی وجہ سے ڈویژن کے اہل حدیث احباب چک ۲۳ کے سالانہ جلسہ میں بھرپور شرکت کرتے ہیں۔ اللہ اُن کی حاضری کو شرف قبولیت بخشے۔

جنجوعہ: آپ حافظ عبدالقادر روپڑی اور مفتی محمد صدیق رحمہما اللہ کے ہم سفر رہے ہیں، کسی مناظرے کی روداد سنائیں:

حافظ صاحب: مفتی محمد صدیق سرگودھوی اور حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہما اللہ دونوں حضرت العلام حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ہم مکتب ہونے کی بنا پر اُن میں گہری دوستی تھی۔حافظ عبدالقادر نامور مبلغ اور مناظر بن کر نمودار ہوئے جن کو شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بعد مذاہب باطلہ سے کامیاب مناظرے کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پروفیسر محمد عبداللہ بہاولپوری کے بہ قول حافظ صاحب اپنے دلائل کو بار بار دہراتے ہیں اور اپنے دعویٰ کا ہر ٹرم میں اعادہ کرتے ہیں۔ اور مخالف پر عوامی انداز میں گرفت کرتے۔ مدمخالف کی دلیل کا علمی جواب دینے کے بعد اپنے دعویٰ کی صداقت میں عام فہم دلیل پیش کرتے جس کو حاضرین بہ خوبی سمجھ سکیں۔فضول بحث میں وقت ضائع نہ کرتے۔

حافظ عبدالقادر کے ہم مکتب مولانا محمد صدیق نے نامور مدرس بن کر شہرت پائی۔ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد قارئین کے استفسار پر ایمان وعقائد، مسائل واحکام سے متعلق مولانا محمد صدیق کے علمی فتاویٰ جات اہل حدیث جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ اس لیے جماعتی احباب میں مفتی جماعت کے نام سے معروف ہوئے۔ شہر کے تمام مکاتب فکر کے علماء اُن کی علمی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے اور اُن کا بے حد احترام کرتے تھے۔

وہ جامعہ علمیہ کے طلباء کو پڑھانے سے فارغ ہوتے تو مطالعہ میں مگن ہوجاتے اور تحریری کام میں مصروف ہوجاتے۔ اُن کا حافظہ قوی تھا۔ اس لیے انھیں احادیث اور تاریخی حوالے ازبر تھے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ کے پاس مناظرہ کے لیے کوئی حاضر خدمت ہوتا تو وہ پہلی شرط یہ رکھتے کہ سرگودھا سے مفتی محمد صدیق کو رضا مند کرو تو میں حاضر ہوجاؤں گا۔ چنانچہ برادرم حافظ محمد دین کو اپنے استاد مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کے ہمراہ اکثر مناظروں میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔

(محترم حافظ صاحب نے موضع فاروقہ ضلع سرگودھا میں منعقد مناظرہ کی روداد سنائی:)

ایوبی مارشل لا کا دور تھا۔ ہر قسم کے مناظروں اور جلسوں میں سپیکر پر پابندی تھی۔ ملک عطاء محمد فروکہ خاندانی اہل حدیث تھا۔ وجھوکہ قوم کے ایک مرزائی نے اُس کو مرزائی کرنے کی کوشش کی۔ ملک عطاء محمد نے کہا مجھے سمجھ نہیں آتی ایسا کرتے ہیں کہ آپ مرزائی مولوی کو بلا لیں میں اہل حدیث عالم کو بلا لیتا ہوں۔ مناظرہ کر لیتے ہیں جو سچا ہوگا دوسرا اُس کے مذہب پر آجائے گا۔ اس طرح دو برادریوں کی آپس میں مناظرہ کی تاریخ اور جگہ طے ہوگئی۔ مسلمانوں کی طرف سے حافظ عبدالقادر روپڑی مناظر اور مفتی محمد صدیق معاون جب کہ مرزائیوں کی طرف سے عبدالرحمٰن اور عزیز الرحمٰن مناظر تھے۔

دورانِ گفتگو باہمی تعارف ہوا۔ ربوہ کالج کا پرنسپل کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مناظرے کا صدر ہوں۔ مولانا محمد صدیق فرمانے لگے کہ صدر صاحب! اپنے آپ صدر نہیں بنا جاتا جب تک کوئی نامزد نہ کرے۔ آپ نے خود ہی اپنے صدر ہونے کا اعلان کر دیا۔

مولانا محمد ابراہیم کمیر پوری نے کہا: مولانا! یہ تو نبوت کے خود دعویٰ دار ہوگئے، صدارت تو معمولی چیز ہے۔ اہل حدیثوں کی طرف سے حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری صدر مقرر ہوئے۔ مرزائی صاحبان سٹیج کے ایک میز پر کتابیں رکھ کر بیٹھ گئے اور سامنے عوام۔ دوسری طرف اہل حدیث علماء اور عوام تھے۔

اہل حدیث عالم اپنی ٹرم میں ثابت کرتے رہے محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ آپ پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔ مرزائی ثابت کرتے رہے کہ نبوت آپ پر ختم نہیں ہوئی۔ بحث کے دوران فریقین ایک دوسرے کو دلائل دیتے رہے۔ مرزائی مناظر عزیز الرحمٰن کو پیاس لگی تو وہ کھڑا ہو کر بائیں ہاتھ سے پانی پینے لگا۔ حافظ عبدالقادر نے اُسے کہا یہ سنت کے خلاف ہے۔ مولانا محمد صدیق اور مولانا حافظ محمد ابراہیم بہ یک زبان بول اٹھے: اگر یہ نبی کو مانتے تو سنت کا احترام کرتے۔ مرزائی مناظر عزیز الرحمٰن نے ایک کتاب سامنے رکھ کر کہا اگر حوالہ غلط ہو تو گدھے کے پیشاب سے داڑھی مونڈ دینا۔ مزید برآں کرسی پر بیٹھے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ کہا: اگر حوالہ غلط ہو تو میں حرام کا ہوں۔ اس نے یہ اس لیے کہا تا کہ اہل حدیث مناظر اس کا جواب نہ دے سکے اور مناظرہ پر غلبہ حاصل کرلوں۔ مرزائی نے وہ روایت اس طرح بیان کی جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے چچا عباس میرے بعد تم (قریش) میں نبوت بھی جاری رہے گی اور جب خلافت ہوگی تو وہ بھی تم میں ہی ہوگی، یعنی میرے بعد نبوت بھی قریشیوں کی اور خلافت بھی قریشیوں کی۔ وہ اس روایت سے ثابت کرنا چاہتا تھا کہ نبوت جاری رہے گی۔

مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ حدیث کے ماہر تھے۔ انھوں نے حافظ عبدالقادر سے کہا کہ آپ کتاب مانگیں۔ مولانا محمد صدیق کو اس قدر یقین تھا انھوں نے کہا: اُس وقت تک گفتگو نہیں کرنی جب تک کتاب نہ دیں گے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر نے کتاب مانگی۔ مرزائی انکار کرتا رہا۔ پانچ منٹ گزر گئے چنانچہ حافظ صاحب نے کہا میں اُس وقت تک کھڑے نہ ہونے دوں گا جب تک کتاب نہ دیں گے۔ ملک عطاء محمد نے کہا مولوی صاحب آپ وقت ضائع کر رہے ہیں آپ سے جو اہل حدیث علماء کتاب مانگتے ہیں تو دے دو۔ کہنے لگا کہ ہماری یہ کتاب بڑی نایاب ہے اور انھوں نے پھاڑ دینی ہے۔ ملک عطاء محمد فروکہ کہنے لگا کہ کتاب کی قیمت کیا ہے؟ اُس نے کہا تین سو روپے ہیں۔ ملک صاحب نے جب میں سے تین صد نکال کر کہا جو سا تو اں

شخص کرسی پر بیٹھا ہے اُسے پکڑا دے اگر یہ تمھاری کتاب کا ایک ورق بھی پھاڑیں تو کتاب کے ساتھ ساتھ تین سو روپے بھی تمھارے۔ اس نے مجبور ہو کر کتاب دے دی۔

مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ نے وہی روایت پڑھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چچا! اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم پر کتنا احسان کیا کہ میری وجہ سے نبوت بھی آپ کے گھر کی اور میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد خلافت بھی قریشیوں کی۔ اہل قریش کو اللہ نے کتنی شان دی۔''

مفتی صاحب کہنے لگے: تم نے روایت کا معنی غلط کیا اور کس قدر جھوٹ سے کام لیا۔ مرزائی مناظر اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ عوام نے مرزائی مناظر کو طرح طرح کے القابات سے نوازا۔

حافظ صاحب مجھے مخاطب ہوئے کہ میں نے آپ کے کہنے پر مناظرے کی روداد سنائی آپ کا بھی میرے استاد مکرم مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ سے تعلق رہا، اس حوالے سے آپ بھی اظہارِ خیال کریں۔

جنجوعہ: حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جس عالم کے فتاویٰ جماعت کے تمام جریدوں کی زینت بنتے رہے اور عدالتوں میں جن کو قانونی حیثیت دی جاتی رہی۔ اجتماعی مسائل میں اہل حدیث کی ترجمانی کے لیے اہل علم جن کی طرف رجوع کرتے رہے وہ جامعہ علمیہ کے رئیس مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ تھے۔ اس لیے جماعتی احباب میں مفتی جماعت کے نام سے معروف تھے۔

آپ اختلافی مسائل پر تحریروں میں مدلل بحث کرتے۔ تاہم اُن کی تقریر کا شیریں انداز ناصحانہ تھا۔ جن کے دور میں جامعہ علمیہ جماعتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ راقم کو حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا محمد یحییٰ شرقپوری، حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری، حافظ زبیر احمد ظہیر اور خطیب ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خطابات پہلی دفعہ جامعہ میں سننے کا اتفاق ہوا۔ جس سے مجھ میں جماعتی اور تحریکی ذوق پیدا ہوا۔ کوٹ بھائی خان میں سالانہ جلسوں کا اہتمام شروع ہوا تو آپ باقاعدگی سے صدارت کے لیے تشریف لاتے رہے۔ جب پہلی دفعہ ہدیہ پیش کیا تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ حافظ صاحب کے قافلہ کے ساتھ آیا ہوں اُسی بس پر واپس جاؤں گا۔ آپ بیرونی علماء کی خدمت کریں۔

۱۷/ اپریل ۱۹۸۷ء کو کوٹ بھائی خان میں جلسہ کی تاریخ تھی۔ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ۲۳ مارچ کے قلعہ پچھمن سنگھ کی وجہ سے جلسہ کرائیں یا نہیں۔ آپ (مفتی صاحب رحمہ اللہ) نے ارشاد فرمایا: جلسہ ضرور کراؤ۔ اغیار یہ نہ کہیں کہ اہل حدیث دب گئے ہیں۔ اُن کے حکم پر سرگودھا، چک ۲۳ اور فروکہ سے احباب قافلوں کی صورت میں تشریف لائے۔ غلام حسین مخلص کی نظموں نے حاضرین کو گرما دیا۔ نظم ''علامہ کے مشن'' میں ایک مصرعہ سن کر حاضرین نے نعرہ لگایا! علامہ تیرا قافلہ رکا نہیں تھما نہیں

محترم و مکرم مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ خود کھڑے ہو گئے اور مائیک پر آ کر وضاحت کی کہ یہ مشن علامہ کا نہیں محمد عربی ﷺ کا مشن ہے۔ ہم سب محمدی قافلہ کے سپاہی ہیں۔

اُن کی خدمت میں جا کر جو روحانی سکون ملتا تھا اُن کی وفات کے بعد اس سے محرومی ہوگئی۔ اللہ کریم اُن کی قبر پر رحمت برسائے اور جنت میں درجات بلند فرمائے، آمین۔

جنجوعہ: آپ کے علاوہ مفتی صاحب کے اور کون سے شاگرد ہیں۔

حافظ صاحب: میرے علاوہ مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کے کئی شاگرد ہیں۔ چند کے نام ذکر کرتا ہوں:

مولانا محمد طفیل چک نمبر ۹۰ شمالی کی مسجد میں خطیب میں طلباء وطالبات کے مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ پروفیسر عبدالستار بھٹی نے مولانا سے حدیث پڑھی۔ اسلام آباد میں پروفیسر ہیں۔ مولوی انوار آف چک ۲۹ سرگودھا کے کسی دفتر میں ملازم تھے۔ انھوں نے بھی حدیث پڑھی، بڑے خوش طبع تھے۔ مولانا طیب شاہین ایئر فورس میں ملازم تھے۔ کچھ وقت نکال کر استاد صاحب کے پاس پڑھتے رہے۔ علمی لحاظ سے معروف تھے۔

مولانا عبدالحی انصاری ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ادریس فاروقی بھی آپ کے پاس

پڑھتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نکاح عبدالرحمٰن ہاشمی کی بیٹی فرحت ہاشمی سے مفتی صاحب نے پڑھایا۔ اس کے علاوہ بھی مفتی صاحب رحمہ اللہ کے متعدد شاگرد ہیں۔

جنجوعہ: اہل حدیث علماء تنظیمی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں۔ ان میں باہمی اتحاد ویگانگت کے فروغ کے لیے نصیحت آموز واقعہ سنائیں۔

حافظ صاحب: ہمارے اسلاف کا حسن اخلاق اور باہمی الفت وپیار مثالی تھا۔ وہ علمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ کانفرنس میں دوسری تنظیم کے علماء کو دعوت دیتے۔ میں آپ کو حافظ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی غزنوی خاندان سے عقیدت کا واقعہ سناتا ہوں۔

تقسیم کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تاسیس طالب علمی کے زمانہ میں ہوئی۔ سیّد داود غزنوی رحمہ اللہ اس کے امیر اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ مرکزی جمعیت کے دستور میں درج تھا: ''کثرت رائے سے محدود مدت کے لیے امیر کا چناؤ اور برطرف کرنا'' جب کہ روپڑی علماء کا موقف تھا کہ یہ شق شرعی نقطہ نگاہ سے صحیح نہیں۔ اُن کا موقف تھا کہ اصحاب شوریٰ کی ایک جماعت ہونی چاہیے۔ جن میں دینی شعور اور عقلی فراست ہو وہ امیر کا انتخاب کرے جب تک امیر میں کوئی غیر شرعی بات پیدا نہ ہوجائے تو وہ تاحیات جماعت کا امیر ہوگا۔ حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ شرعی عذر کی بنا پر سیّد داود غزنوی کی تشکیل کردہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان میں شامل نہ ہوئے لیکن اُن کا احترام دل میں اس قدر تھا آپ سن کر حیران ہوں گے۔

حافظ محدث روپڑی کے بھائی حافظ محمد حسین روپڑی علم صرف ونحو اور منطق کے ماہر تھے اور فن مناظرہ پر بھی عبور تھا۔ شیخ الحدیث محمد عبداللہ آف گوجرانوالہ کے آبائی گاؤں چک نمبر ۱۶ بھلوال میں فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ تھا۔ اجنالہ اسٹیشن سے ہم نے کتابیں سر پر رکھ لیں۔ حافظ محمد حسین روپڑی ٹی۔ بی (سل) کے مریض ہونے کے باوجود پیدل چل کر ہمارے ساتھ گاؤں گئے۔ انھوں نے مناظرہ میں عقلی ونقلی دلائل دیے اور کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۹ء کو حافظ محمد حسین روپڑی کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ حافظ محمد اسماعیل روپڑی نے عمر بن عبدالعزیز کا حوالہ دیتے ہوئے چچا جان سے اولاد کے متعلق وصیت کے لیے عرض پیش کی تو انھوں نے فرمایا:

میری اولاد اگر میرے رب کی فرمانبردار ہے تو وہ اُن کے لیے کافی ہے۔ مجھے کسی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اللہ کی نافرمان ہے تو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میں اُن کے بارے کوئی دنیوی وصیت نہیں کرنا چاہتا۔

دوسری بات یہ فرمائی میرے بعد میرے بچوں حافظ عبدالرحمٰن (مدنی) حافظ عبدالوحید، حافظ عبدالماجد کی صرف صحیح العقیدہ (سلفی علماء) سے تعلیم مکمل کروانا کیونکہ گمراہ ہونے سے بےعلم رہ جانا ہی بہتر ہے۔ اپنی اولاد کے بارے یہی سوچ اور وصیت ہے۔ اور اپنی میت اور جنازہ کے بارے میں خصوصی ہدایت فرمائی کہ آج کل عورتیں دفن سے پہلے ہر قسم کے مرد کا چہرہ دیکھتی ہیں، حالانکہ جس طرح زندگی میں غیر محرم کو دیکھنا منع ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی غیر محرم عورتیں میت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتیں، میرا منھ دکھاتے ہوئے میری اس ہدایت پر عمل درآمد کے لیے خصوصی اہتمام کرنا۔

سلفی اقدار کے محافظ حافظ محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ دو اکتوبر بروز جمعۃ المبارک بہ وقت سحری مالک حقیقی سے جا ملے تو آپ کے بھائی حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ مسجد دالگراں میں تشریف فرما تھے۔ لوگ تعزیت کر رہے تھے۔ حافظ صاحب غمگین ہو کر خاموشی سے بیٹھے رہے۔ تقریباً اڑھائی ماہ بعد ۱۲ جنوری ۱۹۶۲ء کو اُن کے چہیتے شاگرد اور بھتیجے حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ فوت ہوگئے۔ حاضرین نے تعزیت کی آپ نے رب کی رضا پر صبر کا مظاہرہ کیا۔ کسی نے اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کو نہیں دیکھا۔ لیکن جس دن سیّد محمد داود غزنوی رحمہ اللہ فوت ہوئے میں (حافظ محمد دین) حلفاً کہتا ہوں کہ میں

نے خود دیکھا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ داڑھی سے آنسوؤں نے نکل کر آپ کا دامن تر کر دیا اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج میرے استاد سیّد عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کا فرزند ارجمند چشم وچراغ اور غزنوی خاندان کا سورج غروب ہوگیا۔ یہ محبت وعقیدت تھی۔ آج ہم تنظیمی اختلاف کی بنا پر دوسرے علماء کی غیبت کرنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔خواہ وہ عالم دوسری تنظیم کا شیخ الحدیث ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ ہم کو اس بیماری سے محفوظ رکھے اور آپس میں اتحاد واتفاق کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

جنجوعہ: حافظ صاحب! آپ نے روپڑی خاندان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ روحانی علم حاصل کیا لیکن آپ نے اُن کی جماعت کی بجائے جمعیت اہل حدیث میں کیوں شمولیت کی؟

حافظ صاحب: جس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ میاں فضل حق تھے اُس وقت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے متوازی جمعیت اہل حدیث قائم کی۔محترم حافظ عبدالقادر روپڑی اس کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہوئے۔ حافظ صاحب نے مفتی محمد صدیق کی طرف سے بھی رکنیت فارم پر کردیا۔ اُس وقت میرے استاد مفتی صاحب جمعیت اہل حدیث میں شامل ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ نے علیحدگی اختیار کرلی لیکن میرے استاد صاحب نے کہا جب تک اس میں کوئی شرعی نقص نظر نہ آئے گا میں نہیں چھوڑں گا۔اس لیے استاد صاحب جمعیت میں شامل رہے۔ چونکہ میں اُن کا شاگرد تھا اس لیے علامہ احسان الٰہی ظہیر کی جمعیت میں شامل ہوگیا۔مولانا سعید احمد چنیوٹی، مولانا دین محمد کے ہمراہ لارنس روڈ لاہور منعقد اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔ میں اس طرح جمعیت اہل حدیث میں شامل ہوا اس کے باوجود روپڑی خاندان کا احترام کرتا ہوں۔اُن کو روحانی باپ سمجھتا ہوں۔

حافظ اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کی ران میں کینسر ہوگیا۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ سرگودھا کے حکیم محمد یوسف نے کہا کہ میں دوائیوں سے مواد اکٹھا کرکے آپریشن کروں گا۔ غلیظ مواد خارج ہونے سے ران ٹھیک ہوجائے گی۔ دوران علاج حافظ اسماعیل جامعہ علمیہ میں ٹھہرے۔ اُن کے اہل وعیال ہمراہ تھے۔ اس بیماری کے باوجود حافظ صاحب تبلیغی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔ میں اُن کو کندھے کا سہارا دے کر لے جاتا۔ میں رات کو حافظ اسماعیل کے دروازے کے سامنے سوتا۔ جس وقت اُن کو رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تو مجھے آواز دیتے۔ میں نہایت آرام سے سہارا دے کر قضائے حاجت کے لیے لے جاتا۔اس دوران میں نے ایک دفعہ گھر جانے کی اجازت طلب کی تو حافظ صاحب مسکرا کر کہنے لگے کہ آپ نے جانا ہے تو میں لاہور چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے ارادہ ملتوی کردیا۔ جب وہ لاہور چلے گئے میں کچھ عرصہ وہاں بھی رہا۔ اس طرح تین ماہ تک خدمت کی سعادت حاصل ہوئی انھوں نے دعائیں دے کر رخصت کیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں روپڑی خاندان کے علماء کا روحانی وجسمانی طور پر خادم ہوں۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی مع اہل وعیال سعودی عرب گئے۔ میرے بیٹے عمر فاروق نے مکان لے کر دیا۔ وہ خود عراق چلے گئے۔ واپس آئے اور فیملی کے ہمراہ کئی دن مقیم رہے۔اپنی اولاد سے کہنے لگے کہ اُن کے والد (حافظ محمد دین) ہمارے خاندان کے پرانے خدمت گار ہیں۔ ہمیں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آج اُن کے گھر ٹھہرے ہیں۔ حافظ صاحب کہنے لگے میں آج بھی اُن کو روحانی راہنما سمجھتا ہوں۔ انھوں نے رقت آمیزی میں روپڑی خاندان کے تمام افراد کے نام لے لے کر کہا میں اُن سب کا خادم ہوں۔ میری کچھ جسمانی کمزوری اور مصروفیت کی وجہ سے آنا جانا کم ہوگیا ورنہ آج بھی علمی وروحانی نسبت اُنھی سے ہے۔

جنجوعہ: محترم حافظ صاحب! آپ نے شہر کی بجائے دیہات میں دینی خدمات سرانجام دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟

حافظ صاحب: میں کچھ عرصہ نیوسول لائن مسجد اہل حدیث سرگودھا میں خطبہ جمع پڑھاتا رہا۔ اس کے ساتھ دارالحدیث ڈی بلاک میں بہ طور مدرس خدمت بھی سرانجام دیتا رہا۔ اس دوران گھر آتا تو

ضعیف العمر والدین کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہوجاتی۔ اُس وقت میرا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ محدود تنخواہ ہونے کی وجہ سے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے۔ شہر میں رہ کر والدین کی احسن انداز میں خدمت نہیں کرسکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میرے چھوٹے بھائی حافظ محمد یٰسین اور جلال دین مویشیوں کی دیکھ بھال اور کھیتی باڑی میں والد کی معاونت کی وجہ سے تعلیم حاصل نہ کرسکے۔ اُن کی فکر دامن گیر ہوئی کہ وہ شہر میں رہ کر کون سا کاروبار کریں گے۔ اس بنا پر میں نے شہر کی بجائے دیہات میں دینی خدمات سرانجام دینے کا فیصلہ کیا تاکہ میرے بھائی زرعی شعبہ سے بدستور منسلک رہیں انھیں دقت نہ آئے۔

جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ ہوئی۔ بھارتی فضائیہ کی بمباری کا سارا زور سرگودھا پر تھا تو دارالحدیث کے طالب علم اپنے اپنے گاؤں چلے گئے۔ اس طرح مدرسہ خالی ہوگیا۔ میں تدریس کی ڈیوٹی سے فارغ ہوگیا تھا تو میرے شفیق استاد مکرم مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ نے مجھے ۲۳ الف جنوبی جانے کی اجازت دے دی۔

جنجوعہ: آخری سوال پیش خدمت ہے۔ پاکستان اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے معرض وجود میں آیا، جس کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے تاحال شرعی قانون کا نفاذ نہیں ہوسکا؟

حافظ صاحب: جس نظام کے تحت شرعی قانون کے نفاذ کی جدوجہد ہوتی رہی وہ انگریز کی پیداوار ہے۔ امیر کے چناؤ کا جاہلوں کو اختیار دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ جس میں صاحب بصیرت عالم اور ایک بے بصیرت جاہل کی اور جج کی رائے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ارکان کثرت رائے کی بنیاد پر امیر کا چناؤ اور قانونی فیصلہ کرتے ہیں۔ جب کہ دورِ نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانے میں دلائل وبراہین کی بنیاد پر فیصلے ہوتے تھے۔ دوسری وجہ بیان کرنے سے پہلے میں آپ کو واقعہ سناتا ہوں:

۱۹۵۸ء کی بات ہے۔ جامعہ علمیہ سرگودھا میں سالانہ امتحانات کی تقریبات کے موقع پر لاؤڈ سپیکر کی ضرورت تھی۔ انتظامیہ نے اجازت نہ دی۔ مولانا محمد صدیق لائل پوری (فیصل آباد) نے خطاب میں فرمایا کہ حکومت میلہ منڈی مویشیاں میں لاؤڈ سپیکر کی اجازت دے دیتی ہے جہاں مرد اور عورتیں فحش گانوں سے روح اور ایمان کا جنازہ نکالتے ہیں۔ اس کے برعکس مساجد ومدارس جہاں قرآن سنایا جاتا ہے وہاں حکومت اجازت نہیں دیتی۔ حافظ صاحب نے مثال دے کر کہا کہ پاکستان امریکہ کا اس طرح مزارع ہے جس طرح دیہی علاقوں میں کمہار، نائی اور لوہار جاگیردار کا کمی ہوتا ہے۔ اُسے ہر حال میں حکم ماننا پڑتا ہے۔ حکم عدولی کی صورت میں سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پاکستان امریکہ کی مرضی کے بغیر شرعی قانون کا بل پاس نہیں کرسکتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں تادیبی کارروائی کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

بقیہ: تقویٰ کی حقیقت اور نماز

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ٥﴾ [الحجر: ٤٥]

''بے شک اہل تقویٰ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔''

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ٥ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ٥﴾

[الدخان: ٥١،٥٢]

''یقیناً پرہیزگار لوگ پُرامن جگہ پر ہوں گے (یعنی) باغات وچشموں میں۔''

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ٥﴾ [الذاریات: ١٥]

''بے شک اہل تقویٰ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔''

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ٥﴾ [الطور: ١٧]

''بے شک متقین باغات اور نعمتوں میں ہوں گے۔''

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ٥﴾ [القمر: ٥٤]

''بے شک پرہیزگار باغات اور نہروں میں ہوں گے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا بیان

مؤلف: مولانا محمد اقبال کیلانی **ضخامت:** ۲۸۸ صفحات
ناشر: حدیث پبلی کیشنز، ۲ شیش محل روڈ، لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جو دین اسلام کی نشر واشاعت میں دن رات کوشاں رہتے ہیں۔ مولانا موصوف نے اب تک اپنے جاری کردہ تبلیغی سلسلے "تفہیم السنۃ" کے تحت ۲۸ عدد وقیع وضخیم کتب شائع فرمائی ہیں۔ یہ سلسلہ "تفہیم السنۃ" کیا سلسلہ ہے کہ عام حالات میں ہر مسلمان کے لیے ہر قدم اور ہر ساعت میں بنیادی عقیدے اور عمل کی سطح پر کام آنے والے امورِ اخلاق ہیں۔

یہ ۲۸ وقیع کتب، مثلاً: توحید کے مسائل، اتباعِ سنت کے مسائل، طہارت، نماز، جنازہ، درود شریف، دعا، زکاۃ، روزے، حج وعمرہ، جہاد، نکاح، طلاق، جنت، جہنم، شفاعت، قبر، علاماتِ قیامت، دوستی اور دشمنی، فضائلِ قرآنِ مجید، تعلیماتِ قرآن، فضائلِ رحمۃ للعالمین، مساجد، لباس وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا بیان" اسی "تفہیم السنۃ" سلسلے کی ۲۸ ویں کڑی ہے۔

اللہ اور رسولِ اکرم ﷺ کے احکامات وفرامین کی نافرمانی کرنا گناہ کہلاتا ہے، پھر اہل علم نے گناہوں کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے: صغیرہ گناہ (چھوٹے گناہ) اور کبیرہ گناہ (بڑے گناہ)۔ ان چھوٹے اور بڑے گناہوں سے اجتناب کرنا اور دنیاوی زندگی میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، یعنی متقی بن کر رہنے کا نام انسانیت ہے۔ یہ انسانیت کیا ہے؟ سورۂ نساء کی آیت ۳۱ ہماری اس طرح راہنمائی فرماتی ہے:

"اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمھاری برائیوں کو مٹا دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔"

مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ کو اللہ کریم نے وسعتِ علم ومطالعہ سے خوب نوازا ہے کہ وہ اپنے انداز میں ایک نہایت مفید سلسلے کو آگے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے ۵۴ صفحات پر مشتمل ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب میں یہ خاصے کی چیز ہے۔

موصوف نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے متعلق آیات، احادیث کو ان کے ترجمے اور تشریح کے ساتھ مختلف ابواب میں تقسیم فرما دیا ہے۔ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ اس گناہ کی بیخ کنی کی کئی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ہیں۔ ان میں سے اکثر کی نشان دہی فرما دی گئی ہے۔ بے شک شرک جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب اور اس کی نحوست بہت زیادہ ہے۔ شرک جیسے قبیح وکبیرہ گناہ سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں گناہوں کی اقسام، کبیرہ گناہوں کی پہچان، عقائد سے متعلق کبائر، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت اور امارت جیسے امور پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ بہت سی اقوام کو اللہ کریم نے انھی گناہوں کی بہ دولت تباہ وبرباد فرما دیا۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کی راہنمائی کریں جو شریعت سے نابلد ہیں، جنھیں یہ بھی پتا نہیں کہ گناہ ہوتا کیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں گناہ کی تعریف سے ہی لوگ واقف نہیں تو انھیں سمجھائے گا کوئی کیا؟

زیر تبصرہ کتاب ہر گھر میں، ہر مبلغِ دین کے پاس اور ہر لائبریری میں ضرور موجود ہونی چاہیے۔ یہ عام فہم ہے اور اگر اسے عام معاملات میں راہنما کتاب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کمپیوٹر کمپوزنگ اور کارڈ کور ہے۔ مولانا کیلانی حفظہ اللہ کی ان کتابوں کا اردو، انگریزی، بنگالی اور سندھی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مسجد نبوی کی لائبریریوں (برائے مرد اور خواتین) میں بھی یہ کتابیں رکھی گئی ہیں۔

اللہ کریم انھیں، ان کے معاونین اور ناشرین کو اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

حرمت رسول اللہ ﷺ اور آزادیِ رائے

تالیف: رانا محمد شفیق خان پسروری
ضخامت: ۱۳۴ صفحات **ناشر:** مخزنِ علم، اردو بازار، لاہور
ملنے کا پتا: مرکزی جمعیت اہل حدیث، ۱۰۶۔ راوی روڈ، لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

رانا محمد شفیق خان پسروری مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ایک بلند آہنگ راہنما ہی نہیں بلکہ ایک خطیب، ادیب، صحافی، سیاست دان، کالم نگار اور ''پیغام ٹی وی''، جو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے زیر اہتمام خوش اسلوبی وکامیابی سے جاری ہے، کے چیئرمین بھی ہیں۔

جناب پسروری ایک زود نویس کالم نگار ہیں۔ روزنامہ پاکستان میں کالم نگاری کے علاوہ متعدد چھوٹی بڑی کتب کے مصنف اور مؤلف بھی ہیں۔ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' میں بھی ان کے علمی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اللھم زد فزد

زیرتبصرہ کتاب ''حرمت رسول ﷺ اور آزادیِ رائے'' جناب رانا کی گستاخانِ رسول کی طرف سے حالیہ گستاخیوں کے ردّ میں جمع وترتیب دی گئی کتاب ہے۔ آزادیِ رائے کے غلط استعمال سے جس طرح یہود ونصاریٰ کے متعصب لوگوں نے گستاخیاں کرکے امت مسلمہ کے دل جس طرح زخمی کیے ہیں، اسی طرح اسلام کی شان وشوکت میں اللہ کریم نے مفید ومزید اضافے بھی فرمائے ہیں۔ اللہ کریم اپنے حبیب جناب رسولِ کریم ﷺ کا ذکر بلند سے بلندتر فرمارہا ہے۔ ہزاروں افرادِ امت آپ ﷺ کی شان میں مسلسل تحریریں لکھ رہے ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ کتاب کا انتساب پیارے رسول ﷺ کی عظمت وحرمت کے نام کیا گیا ہے۔ روزنامہ پاکستان میں ان کے بعض کالم حرمت رسول اور عظمت رسول ﷺ پر شائع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمود الحسن عارف، پروفیسر سینیٹر ساجد میر صاحب اور قدرت اللہ چوہدری کی تحریریں بھی اوّلین صفحات پر دی گئی ہیں۔

حُبِ رسول ﷺ میں لکھی ہر تحریر اللہ کریم قبول فرمائے۔ حرمت رسول اور آزادیِ رائے کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب مفید ہے۔ خوب صورت ٹائٹل اور مضبوط جلد وعمدہ طباعت ہے۔ قیمت درج نہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ابوبکر صدیق جانِ صداقت
وہ پر نور صورت، وہ پاکیزہ سیرت

وہ تو خود ذات سے اپنی خیر وسعادت
اور اس پر رسولِؐ خدا کی رفاقت

وہ نیکی کی عادت وہ خلق و مروّت
وہ سادہ طبیعت وہ سنجیدہ فطرت

جبیں اتنی روشن کے قرآں کی آیت
برستی گھٹائیں کہ دستِ سخاوت

وہ قرآن پڑھتے ہوئے اشکباری
وہ راتوں کی تنہائیوں میں عبادت

مشیر ان کے فاروق و عثمان و حیدر
وہ بارِ امامت، وہ دورِ خلافت

وہ ایماں سراپا، یقین مجسم
نبیؐ کی رسالت کی پہلی شہادت

خدا ان سے راضی، وہ راضی خدا سے
نبیؐ نے بھی جنت کی دی تھی بشارت

سیاست مگر عین منشاءِ یزداں
دماغوں پہ قبضہ، دلوں پہ حکومت

(ماہر القادریؒ)